یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

Presented by Ziaraat.com

۷۸۶

۹۲_۱۱۰

یاصاحب الزماں ادرکنیؑ

Knowledge for All

SABIL-E-SAKINA

یا عباسؑ

DvD Version

لبیک یا حُسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

Presented by Ziaraat.com

کشفِ حرف

مؤلف

دانشور محترم سیّد عاشق حسین شاہ
(حسنی الہاشمی)

مصحح

حجۃ الاسلام علاّمہ ریاض حسین جعفری فاضلِ قم

ناشر
ادارہ منہاج الصالحینؒ
جناح ٹاؤن ٹھوکر نیاز بیگ لاہور
فون: 35425372

Presented by Ziaraat.com

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

کتاب : **کشفِ حرف**

مؤلف : ماشور محترم سیّد عاشق حسین شاہ (حسنی الہاشمی)

مصحح : حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

پروف ریڈنگ : چوہدری محمد عمران حیدر جعفری

اشاعت : اپریل 2015ء

ہدیہ : 200/- روپے

ملنے کا پتہ

اِدارَہ مِنہَاجُ الصَّالِحِینؒ ۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20 - غزنی سٹریٹ - اُردو بازار - لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

Presented by Ziaraat.com

مناجات

امیر المومنین حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا:

اِلٰهِیْ كَفٰی بِیْ عِزًّا اَنْ اَكُوْنَ لَكَ عَبْدًا وَكَفٰی بِیْ فَخْرًا اَنْ تَكُوْنَ لِیْ رَبًّا اَنْتَ كَمَا اُحِبُّ فَاجْعَلْنِیْ كَمَا تُحِبُّ

"اے میرے معبود! میرے لیے، میری عزت کے لیے یہی کافی ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں اور میرے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ تُو مرا پروردگار ہے۔ تو ویسا ہی ہے جیسا میں چاہتا ہوں۔ پس تُو مجھے ویسا ہی بنا دے جیسا تُو چاہتا ہے"۔

Presented by Ziaraat.com

انتساب

وارثِ علمِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْکِتٰب کے مصداق

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے نام

معنون و منسوب کرتا ہوں

Presented by Ziaraat.com

ترتیب

✿ عرضِ ناشر		6
✿ دریچۂ فہم		8
✿ پہلا باب	الٓمٓ	11
✿ دوسرا باب	الٓرٰ	21
✿ تیسرا باب	الٓمٓرٰ	29
✿ چوتھا باب	الٓمٓصٓ	32
✿ پانچواں باب	کٓھٰیٰعٓصٓ	39
✿ چھٹا باب	طٰسٓمٓ	41
✿ ساتواں باب	طٰسٓ	45
✿ آٹھواں باب	حٰمٓ	49
✿ نواں باب	حٰمٓ السجدہ	72
✿ دسواں باب	حٰمٓ عٓسٓقٓ	75
✿ گیارھواں باب	صٓ	78
✿ بارھواں باب	قٓ	81
✿ تیرھواں باب	اَلْقَلَم	84
✿ چودھواں باب	طٰہٰ	86
✿ پندرھواں باب	یٰسٓ	91
✿ سولھواں باب	حروفِ اعظم	96
✿ سترھواں باب	انسانِ کاملین	100
✿ اٹھارھواں باب	سافلین	117
✿ انیسواں باب	سجدہ	136
✿ بیسواں باب	عبادت	139
✿ اکیسواں باب	دائرۂ اطاعت	159
✿ بائیسواں باب	اعمال	175
✿ تیئسواں باب	طریقِ نماز	202
✿ چوبیسواں باب	دُرود پاک	208
✿ حرفِ آخر		220

Presented by Ziaraat.com

عرضِ ناشر

دخترِ رسول مقبول ﷺ نے دربار اور مسجد میں پانچ فصیح و بلیغ خطبات ارشاد فرمائے ہیں، جن کے بارے میں مرحوم علامہ سیّد محمد کاظم قزوینی نے اپنی کتاب فاطمة الزهراء من المهد إلى اللحد میں اظہار تاسف کرتے ہوئے لکھا ہے:

"سیّدہ زہرا بتول سلام اللہ علیہا نے بڑی چھوٹی عمر پائی ہے کہ آپؑ اٹھارہ سال کی عمر میں اپنے والدِ بزرگوار کی قبرِ مبارک پر لپٹ کر مرنے کی دعا مانگ رہی ہیں"۔

کاش! آپؑ طولانی عمر پاتیں تو آج ہمارے لیے علم و فضل کا سمندر میراث میں چھوڑ کر جاتیں۔ لوگ اُس سے اپنی اپنی علمی لیاقت و استعداد سے استفادہ کرتے۔

بی بی پاکؑ نے ایک خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بیان کے بعد ارشاد فرمایا:

"اے فلاں بن فلاں! سن، جب اللہ اپنے بندۂ مومن سے اپنے دین کا کام لینا چاہتا ہے تو اُس کے دل میں اپنی محبت القا کر دیتا ہے"۔

زہرا بتولؑ کا یہ آبِ زر سے لکھنے والا جملہ سیّد عاشق حسین شاہ صاحب پر صد در صد پورا اُترتا ہے۔ سیّد بزرگوار نے جب اس کتاب کی تالیف کے بارے میں مجھے بتایا کہ مجھے فنونِ دینی سے آگاہی نہیں ہے۔ فقط ایک خطیب کی لایعنی گفتگو نے مجھے قلم پکڑنے پر مجبور کر دیا اور پھر سیّد زادہ کا قلم پکڑنا ایک اشارہ پر موقوف ہے کہ جن کا کام ہے وہ جس سے کام لے لیں، جس کو مرضی ذمہ داری سونپ دیں۔ انسان

Presented by Ziaraat.com

کی محنت وریاضت کا اثر بھی ہے لیکن کائنات کے وارثوں کا بھی گہرا تعلق ہے۔
اگر توفیق سلب ہو جائے تو بڑے بڑے عالم، فاضل کوئی کام نہیں کر سکتے۔
سیدزادہ پر آلِ محمدؐ کا خصوصی کرم ہے کہ وہ اپنے اس روحانی فرزند سے اپنے دین کا کام لے رہے ہیں۔ سید کے مالی احوال کوئی خاطرخواہ نہیں ہیں، اس کے باوجود دین اسلام کی تبلیغ وترویج میں سید کے جذبات واحساسات بام عروج پر ہیں۔
سید نے حروف مقطعات پر پوری دلجمعی کے ساتھ بحث کی ہے اور آپ نے اُدلہ عقلی ونقلی سے ثابت کیا ہے کہ قرآن کے ان حروف کے معانی ومفاہیم ہیں۔ ان پنہاں مفاہیم کو درک کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ وہی ہستیاں بتا سکتی ہیں کہ جن کی زبان وحی سے دھلی ہوئی ہے، یا جن لوگوں نے باب مدینۃ العلم کی چوکھٹ پر سر جھکایا ہے۔ سیدزادہ نے پورے انہماک کے ساتھ علمی گتھیوں کو سلجھایا ہے۔ کائنات کے وارثوں کا اُن پر سایۂ عاطفت ہے۔ سیدزادہ بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رنجاں ہو چکا ہے۔ بوڑھے سید نے قلم بھی اُس وقت تھاما ہے جب سر وصورت پر چاندی چھا چکی ہے۔ مجھے اُمید قوی ہے کہ سید اپنے مشن میں بڑھتے ہی جائیں گے اور توشۂ آخرت کے لیے حظِ وافرہ اکٹھ کر کے جائیں گے۔
میری دُعا ہے کہ پروردگار عالم آلِ محمدؐ کے صدقے میں ان کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے، ان کی مشکلات کو دور فرمائے اور ہماری اس سعی کو بارگاہ عالیہ میں مقبول فرمائے، محبانِ آلِ اطہارؑ کی اس پُرآشوب زمانہ میں محافظت فرمائے۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ہم سے راضی وخوشنود ہوں، آمین!

والسلام مع الاکرام

طالب دعا!

ریاض حسین جعفری، فاضل قم

Presented by Ziaraat.com

دریچۂ فہم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

رمضان المبارک ۱۴۳۵ ہجری کی بات ہے کہ ایک اچھے خاصے دانشور کو سننے کا موقع ملا۔ موصوف حروف مقطعات پر لیکچر دے رہے تھے۔ ہمہ وقت ہمہ تن گوش رہا۔ لیکچر تمام ہُوا اور میں اپنی علمی کم مائیگی کی وجہ سے ان موصوف کی اس بات کو نہ سمجھ پایا اور غالباً یہی جملے اُن کا مرکزی خیال تھا:

"حروف مقطعات کے کوئی معنی نہیں۔ اسلام سے پہلے بھی عرب مقررین اپنی تقریر میں زور پیدا کرنے کے لیے کوئی سے دو تین حروف بول کر اپنی بات شروع کرتے اور یہی طریقہ تخاطب قرآن مجید میں استعمال کیا گیا۔ اگر کوئی معنی ہیں بھی تو یہ صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے"۔

ہر چند کہ یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی کیسے ممکن ہے کہ خداوندِ کریم نے قرآن حکیم میں حروف مقطعات کی صورت میں ایسے الفاظ یا حروف استعمال کیے کہ جن کے معنی فہم میں نہ آسکیں۔ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس کی تعلیم کے لیے معلّم بنا کر مبعوث فرمایا اور اور اس کی زبان میں قرآن کو سمجھنا آسان بنا دیا۔ پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ رسولؐ خدا سے پوچھا جائے اور انھوں نے بتانے سے معذوری ظاہر کی ہو۔

قارئین کرام! میں تصنیف و تالیف کے فن سے تو اتنا آشنا نہیں، تاہم شعر

Presented by Ziaraat.com

گوئی سے کچھ تعلق ہے۔ نثر میں کبھی کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن اوپر ذکر کی گئی بات میرے لیے اس تالیف کی باعث بن گئی۔ چند دن اسی کشمکش میں رہا کہ کیا کروں۔ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ ایک رات نمازِ تہجد کے بعد تسبیح پڑھتے پڑھتے اُونگھ آ گئی۔ مجھے بس اتنا یاد ہے کہ آواز آئی: "تم اس پر لکھو"۔

علی الصبح نمازِ فجر کے بعد میں نے اپنے بڑے بیٹے سے بات کی اور اُسے اپنی کم علمی اور مطالعے کے فقدان کے بارے میں بتایا تو اُس نے کہا: "ابو جی! آپ کی دین سے محبت ہے، یہ بھی سچ ہے کہ آپ مطالعے میں واقعی کمزور ہیں، ہم نے کبھی آپ کو مطالعہ کرتے نہیں دیکھا۔ لیکن جو آواز آپ کو اعتماد دے رہی ہے اُس پر بھروسہ کریں اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے قلم اُٹھائیں، خداوندِ کریم محمدؐ و آلِ محمدؑ کے صدقے میں آپ کا حامی و ناصر ہوگا اور تدبّر اور تفکر کو آپ کا ساتھی بنا دے گا۔ پھر کیا تھا، بندۂ ناچیز نے مطالعہ، ریسرچ اور تالیف کو بیک وقت شروع کر دیا اور رب العالمین کے فضل سے مجھے دانست کا وہ رزق ملا کہ اس تالیف کو مکمل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کتاب کو 'کشفِ حرف' کا نام دیا اور ایک ایک حرف باوضو ہو کر لکھا۔ اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ چہاردہ معصومینؑ کے صدقے میں اس تالیف کو شرفِ پذیرائی عطا فرمائے۔

قارئین سے التماس ہے کہ با ایں ہمہ کتاب میں اگر کوئی تالیفی کمزوری ہو تو مجھے معاف کر دیا جائے۔ میں آپ کے لیے دعا گو ہوں اس اُمید پر کہ آپ بھی میرے لیے دُعا فرمائیں گے۔

طالبِ دعا!

حاجی سیّد عاشق حسین شاہ حسنی الہاشمی

Presented by Ziaraat.com

ایک سجدہ سے شروع اور ایک سجدہ پہ تمام
ابتداً آدمؑ نہایت ہیں حسینؑ عالی مقام
ماجرا انسانیت پنہاں ہے کشفِ حرف میں
کس طرح بندوں پہ کرتا ہے خدا عاشق انعام

Presented by Ziaraat.com

پہلا باب

الٓمّٓ

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ 'ال م' کو حروف مقطعات کہہ کر یہ سمجھ لیا جائے کہ ان کے کوئی معانی نہیں یا یہ سمجھ لیا جائے کہ اگر ان کا کوئی معنی و مطلب ہے تو صرف اللہ رب کریم ہی جانتا ہے کہ ان کے کیا معانی ہیں۔ یہ بات کچھ یوں کہی جائے تو پتہ چل جائے گا کہ اس کی اصل خوب صورتی کیا ہے 'ال م' کو الگ حروف مقطعات کی صف میں رکھ کر آیت مبارکہ کا اگلا حصّہ یوں تلاوت کیا جائے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

''یہ وہ کتاب ہے، جس میں کوئی شک نہیں''۔

اُس سے مراد قرآنِ حکیم لیا جائے گا اور اگر یہ پڑھا اور سمجھا جائے کہ 'ال م' یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں تو بات واضح ہوگئی کہ کتاب کے اندر چھپی ہوئی 'الٓمّٓ' کے عنوان سے ایک اور کتاب ہے جو شک و شبہ سے بالا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔

چونکہ قرآنِ حکیم میں مختلف عنوانات کے تحت مضامین کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جس میں تخلیقِ کائنات کی غرض و غایت، مراحل و مدارج، اہمیت و ضرورت اور افادیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس پاک کلام کے تمام ابواب اور عنوانات اپنے اندر اپنے متعلق تفصیلات کا اجمال رکھتے ہیں۔ اس طرح اس کا پہلا باب یا عنوان 'الٓمّٓ' ہے۔

'ال م' ہی وہ حقیقت ہے جس کے متعلق خالقِ کائنات اپنے بندوں کو آگاہ

Presented by Ziaraat.com

کرنا چاہتا ہے اور اسی آگہی کی خاطر تخلیقِ کائنات اور پھر انبیائے کرامؑ کا سلسلۂ بعثت آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک قائم فرمایا اور اُس کی تجدید و احیا کے لیے آپؐ کے علم کے وارثان کو قیامت تک کے لیے مامور فرمایا۔

بعض محققین کے مطابق اہلِ عرب جو اپنے آپ کو اہلِ زبان سمجھتے اور اپنی زبان دانی اور علمی قدرت کی بدولت خود کو دوسروں سے برتر جانتے اور دوسروں کو کم تر سمجھتے تھے اور زبان کی بلاغت پر فخر کرتے تھے ان لوگوں میں جو زبردست مقرر ہوئے وہ اپنی بات کو زیادہ اہم اور وزنی بنانے کے لیے اسی قسم کے حروف کا استعمال کرتے تھے۔ جب قرآنِ پاک کا نزول ہُوا تو ربِّ ذوالجلال نے اُس قوم کی طرف اپنا کلام اُسی انداز اور اُسلوب میں نازل فرمایا، تاکہ انھیں سمجھنے میں آسانی ہو، بلکہ قرآنِ حکیم کے بدولت عربی زبان کو اُس کی کمزوریوں سے پاک کر کے دنیا میں بولی جانے والی تمام زبانوں میں محترم بنا دیا اور اس کو عروجِ کمال بخشا۔ قرآنِ پاک کا طرزِ تخاطب انتہائی جداگانہ ہے۔ اس کے ہر جملے میں ظاہری اور باطنی مفاہیم و مطالب ہیں۔ باطنی مفہوم میں ہر جملے کی وسعت بے پایاں ہے۔

چونکہ اس ضمن میں قرآنِ حکیم میں بہت سے سورہ ہائے کی ابتداً حروفِ مقطعات سے ہوئی ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اِن کو سیاق و سباق کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اِن کو سمجھنا انسانی ادراک کی حدود سے باہر ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ اور صالحین بندوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ انسانی فہم کے مطابق ان کی راہنمائی فرمائیں۔ ایسا ممکن نہیں کہ کائنات ہو اور اُس کے لیے ہادی نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ "ہر قوم کا ایک ہادی ہوتا ہے"۔ صرف اُن سے تمسک کی ضرورت ہے، عقدہ کشائی ہوتی رہتی ہے۔

Presented by Ziaraat.com

قرآنِ پاک میں سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران، سورۂ عنکبوت، سورۂ روم، سورۂ لقمان سورۂ السجدہ کی ابتداء 'ال م' سے کی گئی ہے۔ سورۂ یونس، سورۂ ھود، سورۂ یوسف، سورۂ ابراہیم، سورۂ الحجر 'ال ر' سے سورۂ الاعراف 'ال م ص' سے، سورۂ رعد، 'ال م ر' سے سورۂ مریم 'ک ھ ی ع ص' سے، سورۂ الشعراء 'ط س م' سے، سورۂ النمل 'ط س' سے، سورۂ قصص 'ط س م' سے، سورۂ یٰسین 'ی س' سے سورۂ ص، 'ص' سے سورۂ مومن، سورۂ حم السجدہ، سورۂ زخرف، سورۂ دخان، سورۂ جاثیہ، سورۂ احقاف 'ح م' سے شروع ہوتی ہیں۔ سورۂ شوریٰ 'ح م ع س ق' سے سورۂ ق 'ق' سے اور سورۂ قلم حرف 'ن' سے شروع ہے۔ سب سے پہلے سورۂ بقرہ کا آغاز حروف مقطعات 'الم' سے ہے۔ اب 'الم' کے عنوان سے دیے گئے اس سورہ کے نفسِ مضمون کو خلاصۃً دیکھتے ہیں۔

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ

''الٓمّٓ، یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اُن متقیوں (خدا کا ڈر رکھنے والوں) کے لیے ہدایت ہے، جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں''۔

قرآنِ حکیم کے پہلے پارہ اور پہلی سورہ کی ابتدا کتاب کی صداقت کے اعلان سے کی گئی ہے، اور اہلِ ایمان کے متعلق بھی بتایا گیا ہے کہ وہ کون ہیں اور ان کی خصوصیات کیا ہیں۔ سورۂ بقرہ قرآنِ مجید کی طویل ترین سورہ ہے۔ اس میں مشرکین اور منافقین کی نشاندہی کی گئی ہے اور منافقین کے اندر چھپے خوف کا بیان

Presented by Ziaraat.com

ہے۔ اپنے خلیفہ کی نامزدگی اور بذریعہ علم اُس کی فضیلت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کا ذکر ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اُن کی قوم کی نافرمانیوں کا ذکر ہے، اُن کی کجی بیان کی گئی ہے، اُن کے لیے ضابطۂ حیات مقرر کرنے کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مثال دی گئی ہے۔ اللہ کی رضا میں صبر اور شکر کی حدود کیا ہیں؟ اور

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ

"سب نمازوں کی حفاظت کرو خاص کر درمیانی نماز کی"۔

یعنی نماز کی اہمیت اور اوقات کے متعلق بتایا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ مال کی پاکیزگی اور سود کے متعلق بیان ہے۔ قانونِ شہادت (گواہی) کا ذکر ہے۔ سورۂ پاک کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "میرا رسول محمدؐ اور خاص مومنین بھی جو کچھ میں نے نازل کیا ہے اُس پر ایمان لائے ہوئے ہیں"۔

تفسیر صافی ص ۷۷-۷۸ پر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ جب مجھے معراج ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تو پردۂ قدرت سے آواز آئی:

اٰمَنَ الرَّسُولُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ

یہ سن کر میں نے کہا: وَالْمُؤْمِنُونَ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صَدَقْتَ یَا مُحَمَّدُ "اے میرے حبیبؐ! آپ نے سچ فرمایا"۔

یہ وہی مومنون تھے جو آدم علیہ السلام کو معافی دینے کے لیے تعلیم کیے گئے تھے۔ امن الرسول کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تھے ہی، اور مومنون کی

Presented by Ziaraat.com

فہرست میں حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین علیہم السلام تھے۔ اور ان کے لیے کلمات کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ کلمات کے اجزائے ترکیبی کی تفہیم کے بعد مقطعات کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

پارہ ۱ سورۂ آل عمران کا آغاز کچھ یوں ہے:

الٓمٓ ۝ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝

"الٓمٓ اللہ (وہ ذات پاک ہے) اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ، زندہ وقائم ہے۔ اُس نے حق کے ساتھ تم پر کتاب نازل کی، جو تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی جو لوگوں کی ہدایت کے لیے پہلے توریت اور انجیل نازل فرمائی"۔

یہاں بھی پارہ ۱ سورۂ بقرہ کی طرح 'ال م' کا تعلق کتاب سے ہے اور کتاب کا تعلق 'ال م' سے جڑا ہوا ہے۔ اسی طرح پارہ ۲۰، سورۂ العنکبوت میں ہے:

الٓمٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝

"ال م، کیا سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے یہ کہہ کر ہم ایمان لائے اُن کو جانچ نہ لیں گے اور ہم نے آزمایا ہے اُن کو جو ان سے پہلے تھے"۔

اس آیت مبارکہ میں لوگوں کو واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے یہ کہہ دیا ہے (زبان سے) کہ وہ ایمان لائے، یہ کہنا ناکافی ہے۔ انھیں اُسی طرح آزمایا جائے گا جیسے اُن سے پہلے لوگوں کو آزمایا گیا۔ مشرکین اور کفار کی

Presented by Ziaraat.com

ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر زبانی اقرار کرنا معیارِ ایمان نہیں بلکہ ال م کے حصار میں محفوظ ہونے کے ال م سے تمسک اقرار باللسان اور یقین بالقلب سے مشروط ہے، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ آزمائش کے اُن مراحل سے گزرا جائے جن سے اسلاف کو گزارا گیا۔ پہلے لوگوں کے بارے میں کتب آسمانی میں اس کا تفصیلاً ذکر ہے۔ ان تمام کتابوں کے مندرجات ال م سے ماخوذ ہیں اُسی سے منسوب اور مربوط ہیں۔ پارہ ۲۱ میں سورۂ روم میں ہے:

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

"ال م، مغلوب ہو گئے ہیں، اہلِ روم اور وہ مغلوب ہونے کے بعد غالب ہو جائیں چند سال کے اندر......"۔

فارس اور روم کے درمیان جنگ ہوئی اور اس جنگ میں فارس کو فتح ہوئی اور روم مغلوب ہو گئے۔ اُس پر کفار مکہ اور مشرکین نے یہ کہا کہ جس طرح فارس اہلِ کتاب نہیں اور رُوم اہلِ کتاب ہے اور جنگ میں فارس رُوم پر غالب آ گیا ہے بالکل اسی طرح وہ بھی مسلمانوں (جو اہلِ کتاب ہیں) پر فارس کی مانند غالب آ جائیں گے اور مسلمان مغلوب ہوں گے۔ اس پر سورۂ روم کا نزول ہوا۔ جس میں روشن آیات کے ذریعے پیشین گوئی کر دی گئی کہ اتنے عرصہ بعد (چند سال بعد) رُوم دوبارہ غالب آ جائے گا۔

یہ پیش گوئی پاک قرآنِ مجید میں نزولِ آیت کے مطابق درست ثابت ہوئی جب مسلمانوں کو کفار و مشرکین کے خلاف مقام بدر میں فتح نصیب ہوئی۔ انہی دنوں میں رُوم فارس پر غلبہ پا چکا تھا۔ دراصل غالب و مغلوب کے اس تذکرہ کی ابتدا

Presented by Ziaraat.com

'ال م' سے کرنے کی غرض و غایت بھی ہے۔ یہ سب کچھ 'ال م' کے تابع اور مطابق ہے اس لیے اگر 'ال م' کی معنوی حقیقت تک رسائی نہ بھی ہو تو اصطلاحی تفہیم تو ممکن ہے۔ اور یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں کہ قرآن پاک میں الفاظ کا استعمال بے محل و بے مقام ہے۔

پارہ ۲۱، سورۂ لقمان میں ہے:

الٓمٓ ۝ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيمِ ۝ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

"ال م، یہ آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی جو ہدایت اور رحمت ہے محسنین کے لیے، جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں"۔

کتاب حکیم قرآن مجید کی اس آیت میں الٓمٓ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ یہ محسنین (احسان کرنے والوں) کے لیے ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی اور وہی لوگ خود کو اس سے جوڑ کر نماز قائم کرتے، زکوٰۃ دیتے ہیں احسان کو ہی صالح عمل جانتے، مانتے اور اپناتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرنے والے ہمیشہ یہ سوال کرتے رہے کہ جس قیامت کی آپؐ بات کرتے ہیں وہ کب واقع ہوگی؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے"۔ اس میں کوئی بحث نہیں کہ قیامت ہے اور ہوگی، لیکن اس کا وقت معلوم نہیں کیسے ہوگی کچھ بھی معلوم نہیں۔

ایک مکمل بامعنی حقیقت (قیامت) لیکن سب اُس کے وقوع سے بے خبر۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ 'ال م' مکمل بامعنی ترکیب ہے مگر بشر کی سوچ سے ماورا ہے۔

Presented by Ziaraat.com

اس کی ظاہری اور مستعمل اصطلاحی معنویت کو سمجھنے کی سعی تو ہو سکتی ہے لیکن باطنی حقیقت صرف اللہ ہی جانتا ہے یا جسے وہ اس کا علم عطا کر دے۔

ایک سادہ سی بات یہ ہے کہ جب کوئی بھی صاحب طرز انسان اپنی بات کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے ایک بھرپور اور جامع لفظ سے اظہار کرتا ہے اور اُس کا سارا زورِ قلم یا زورِ بیان اس جامعیت کی تشریح اور توضیح میں کام آتا ہے۔ ابتدا کا ایک لفظ پورے بیان کو بلکہ یوں کہیے، ایک عالم کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہوتا ہے، جس کی وضاحت کے بغیر اس کا سمجھنا بسا اوقات مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا ہے اور یہی حروف مقطعات کا خاصا ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اپنے بندوں سے جو بھی بات کرنا چاہی اُس کی اہمیت کے پیش نظر اُس کو قرآنِ پاک کی صورت میں مختلف موضوعات کے تحت بیان فرمائی اور اس کا آغاز ایک ٹھوس، جامع اور مکمل لفظ سے فرمایا، اور یہی الفاظ (حروف مقطعات) عظمت بیان کی دلیل ہیں۔

پارہ ۲۱ سورۂ سجدہ میں ہے:

الٓمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞
اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا
مَّا اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۞

"ال م، کتاب کا نازل ہونا اس میں کچھ شک نہیں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے اسے جھوٹ موٹ گھڑ لیا ہے (ایسا نہیں) بلکہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تا کہ تم اُن لوگوں کو ڈرائے جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہ آیا، تا کہ وہ ہدایت پائیں"۔

Presented by Ziaraat.com

اس سورۂ سجدہ میں بھی ال م ی کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اس کو بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور جس پاک ہستی پر نازل ہوئی وہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور جو کچھ بھیجا گیا وہ کوئی نئی اختراع یا گھڑی ہوئی بات نہیں بلکہ وہ لوحِ محفوظ پر محفوظ ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ کچھ نہ تھا تو اللہ تھا۔ کچھ ہے تو اللہ ہے اور جب کچھ نہ ہوگا تو اللہ پھر بھی ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اپنے حکم کے مطابق:

كُنْتُ كَنزاً مَخفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِكَىْ اُعْرِفَ

"میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو پس میں نے اپنی معرفت کے لیے ایک مخلوق پیدا کی"۔

اس کے بعد جو کرنا چاہا ہمیشہ کے لیے لکھ دیا اور اُسے لوحِ محفوظ کا نام دیا اور پھر اپنی مرضی اور منشا کے مطابق کائنات کے اندر ہر چیز کو اپنی ترتیب سے اس طرح وجود بخشا کہ تاوقتِ معلوم ہر شئے کو اس کی ضرورت کے مطابق سہولت میسر ہو۔ جہاں تک قرآنِ پاک ان سورہ ہائے جو کہ الم سے شروع ہوتے ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ دونوں طرح سے اگلی آیت کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے کہ ال م ی مخزن و معدن ہے، جس سے گونا گوں جواہر نکلتے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں چھے سورہ ہائے البقر، آل عمران، العنکبوت، الروم لقمٰن، اور السجدہ کا الم سے نزول یہ دلالت بھی کرتا ہے کہ محور و مرکز ال م ی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر پورے بیان پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ میں نے چھے دنوں میں اسے تشکیل کیا۔

قرآن مجید میں پارہ ۲۶ سورۂ ق میں ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝

Presented by Ziaraat.com

"اور یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ دونوں کے
درمیان ہے اُسے چھے دنوں (زمانوں) میں پیدا کیا اور ہمیں
تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں"۔

یہ بات قابل فہم ہے کہ آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے،
صرف چھے دنوں ہی میں کیوں پیدا کیا؟ یہ بحث اگلے ابواب میں آئے گی۔
فی الحال یہ سمجھنا ہی کافی ہے کہ الٓمّ سے شروع کیے گئے تمام سورہ ہائے میں
اجمال کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ کائنات کی زندگی کی تشریح کر دی گئی ہے۔

چوٹ پڑتی ہے ہر ظرف پہ برابر لیکن
نوعِ ظرف سے آواز الگ ہوتی ہے

Presented by Ziaraat.com

دوسرا باب

الٓـرٰ

سورۂ یونس، سورۂ ہود، سورۂ یوسف، سورۂ ابراہیم اور سورۂ الحجر الٓرٰ سے شروع ہوتی ہیں۔ ان پانچ سورہ ہائے میں زندگی گزارنے کے بارے میں اُمور کو بتلایا گیا ہے، مثلاً سورۂ یونس میں ارشادِ رب العزت ہے:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ

"بے شک تمھارا پروردگار تو وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر مستوی ہوا متمکن ہوا۔ وہ ہر کام تدبر سے کرتا ہے اور اُس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی اس کا سفارشی نہیں ہو سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ تمھارا پروردگار ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو کیا پھر بھی تم ذکر نہیں کرتے (نصیحت نہیں پکڑتے ہو)"۔

اس طرح ازل سے ابد تک کے معاملات کو بتایا گیا ہے اور اپنے استقرار، تسلّط اور غلبے کی بات ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور شفاعت کے تذکرہ سے روزِ جزا کو شفاعت کی نوید ہے۔

Presented by Ziaraat.com

اسی سورہ میں سورج کی روشنی چاند کے نور کی منزلوں کا ذکر ہے، تاکہ روز و شب اور ماہ و سال کا حساب ممکن ہو اور زندگی ترتیب پائے۔ یعنی پورے نظام کی تخمیں ہے۔

روایت میں ہے کہ ا ل ر (الرٰ) یہ تینوں حروف اسم اعظم کے حروف میں سے ہیں۔ اور اسم اعظم کے حروف کتنے ہیں؟ اس میں صاحب علم یا وارث علم کی طرف جانا ہوگا؛ اور وہ صرف وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے وجود عطا کرنے سے پہلے علم دیا پھر وجود بخشا اور بیان کرنا سکھایا۔ اس کے لیے ہمیں قرآن مجید کی تعلیم اور ترکیب کو سمجھنا ہوگا۔ سورۂ رحمٰن میں ہے:

الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

"رحمٰن وہ ہے (اللہ رحمٰن نے) قرآن سکھایا، اس نے انسان کو پیدا کیا اور اس نے اُسے بیان سکھایا"۔

یہ مضمون انتہائی لطیف اور خوب صورت ہے اور اسی جمال کو الرحمٰن سے شروع کر کے نکھارا گیا۔ اس سلسلہ میں مزید دیکھنے کے لیے سورۂ رحمٰن کو الگ عنوان سے کتاب کا موضوع بنایا جائے گا۔

آگے چل کر قرآنِ حکیم میں سورۂ ہود میں یوں ابتدا ہوئی ہے:

الرٰ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ

"الرٰ، یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں پھر بڑے حکمت جاننے والے اور خبر رکھنے والے کی طرف سے اسے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے"۔

اس مضمون میں چھے دنوں میں کائنات کی تخلیق کا بیان اور پانی پر عرش کے

Presented by Ziaraat.com

ہونے کا ذکر ہے۔

دَابَّۃً فِی الْاَرْضِ اور واضح دلیل لانے والے اور اُس کے گواہ کا ذکر ہے اور موسیٰؑ کی کتاب کا بطور رہنما اور رحمت کا تذکرہ موجود ہے۔ اسی سورہ میں مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَاٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا "زمین پر چلنے والا کوئی بھی ایسا نہیں مگر یہ کہ وہ اس کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے"۔

علم القرآن ایک معمّہ ہے اور ہر معمّہ کا حل اُس کے اندر موجود ہے۔ لیکن اُس معمّہ کے حل تک صرف وہی پہنچتا ہے اور کسی دوسرے کو پہنچا سکتا ہے جس کے پاس کتاب کا علم ہو۔ ہر کہ ومہ کے بس کی بات نہ ہے۔ ضروری ہے کہ اُنہی سے تعلق جوڑا جائے اور رجوع کیا جائے جن سے رجوع کرنے کے لیے اللہ رب کریم رہنمائی فرماتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ ھود کا ذکر ہی لیجیے، متذکرہ بالا آیت مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَاٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا میں کوئی "دابۃ" ایسا نہیں جس کی پیشانی "ھو" نہ پکڑے ہوئے ہو"۔

یہ نکتہ بھی علم لدنی کے حامل امیرِ کائنات نے حل کر دیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ اس میں پیشانی "د" ہے اور "ھو" اس کو پکڑے ہوئے ہے۔ پس "د" کو "ھو" سے ملا دیں تو "ھود" بن جاتا ہے اور یہی اس سورہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ کمال ہے اور حُسن ہے"۔

قرآنِ پاک کے سورۂ یوسف میں ہے جو کچھ اس طرح ہے:

الٓرٰ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

"الر، یہ کھلی کتاب کی آیتیں ہیں۔ بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں اُتارا ہے تاکہ تم لوگ عقل سے کام لو"۔

کتاب پاک میں جہاں اس قصہ کو بیان کیا گیا ہے وہاں یہ بات بھی واضح

Presented by Ziaraat.com

کی گئی ہے کہ کتاب کے حامل اللہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کہتے اور اگر کوئی دوسرا اُن سے کوئی خلاف حقیقت بات کہے تو نہ ہونے والی بات واقع ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر حضرت یوسفؑ کے سامنے دو لوگوں نے اپنا اپنا خواب بیان کیا جب پیغمبر تعبیر دے چکے تو اُن دونوں میں سے ایک نے بروایت یہ کہا کہ میں نے تو خواب دیکھا ہی نہیں تو حضرت یوسفؑ نے کہا: تم نے سچ کہا ہے یا جھوٹ اس سے غرض نہیں اب میں نے جو تعبیر بیان کر دی ہے وہ واقع ہو کر رہے گی اور وہی ہوا اُسے پھانسی دی گئی اور پرندوں نے اُس کا مغز کھا لیا۔ اس بیان سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ کتاب کا علم رکھنے والوں سے استہزاء اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ اسی سورہ میں ذکر ہے:

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ
وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

"یہ قرآن کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں لیکن تصدیق ہے اُس چیز کی جو اُن کے ہاتھوں میں ہے اور تفصیل ہے ہر چیز کی اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں۔ اُن کے لیے ہدایت اور رحمت ہے"۔

یہاں اس کو صراحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ یہ من گھڑت نہیں، بلکہ پہلے تمام انبیاء کے صحیفے اور کتابیں ہیں "بَيْنَ يَدَيْهِ" اس پر دلیل ہے۔ یہ بات درست ہے کہ جو کچھ بھی ہے سب کا سب لکھا گیا ہے، لکھا ہوا ہے۔

پارہ ۱۳، سورۂ ابراہیم کا آغاز بھی الر ہی سے ہوتا ہے:

الٓرٰ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ
إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ

"الر، یہ کتاب ہم نے تیری طرف اس لیے اُتاری ہے تاکہ تو

Presented by Ziaraat.com

لوگوں کو پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکال کر
زبردست حمد کے لائق اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف لے جا"۔
چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام انسانوں کا امام بنایا گیا ہے اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خطاب میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم انسانوں کو گمراہی سے نکال کر نور کی طرف لے جاؤ تاکہ انسان اس نور کی بدولت اللہ کو پہچان پائیں۔

اسی سورہ میں ارشاد ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

"جس دن یہ زمین کسی دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور سب آسمان بھی دوسرے آسمانوں سے بدل دیے جائیں گے اور سب اللہ واحد قہار کے حضور میں نکل کھڑے ہوں گے"۔

کیا یہ کسی شکست کے نتیجے میں ایسا ہوگا؟ کیا موسمیاتی حادثات کے نتیجہ میں سب کچھ ہوگا؟ ایسا ہرگز نہیں اور اگر ایسا مان بھی لیا جائے تو کیا اس بات کو سمجھنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ فیصلہ تو پہلے صادر ہو چکا، محفوظ بھی کیا گیا اور مندرجہ بالا آیت کے مطابق اعلان بھی کر دیا گیا اور یہ سب کچھ الم سے مربوط ہے۔ اسی کو لوح محفوظ کہا گیا ہے۔ اور یہی بات کتاب کا علم رکھنے والوں سے مروی ہے کہ اس زمین کے بدلے ایسی زمین لائی جائے گی جس پر کوئی گناہ نہ کیا گیا ہو، جس پر کوئی پہاڑ نہ ہوگا اور اس کی شکل بالکل ایسی ہوگی جیسے یہ پہلے بنائی گئی تھی۔

ارشاد رب العزت ہے:

الٓرٰ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُبِينٍ

یہ سورۂ حجر کی ابتداء ہے اور الر سے شروع کیا گیا ہے اس کا ترجمہ یوں ہے:

Presented by Ziaraat.com

''الٓرٰ۔ یہ کتاب اور واضح قرآن کی آیتیں ہیں''۔

یہاں قارئین کے لیے دعوت فکر ہے کہ یہ کتاب اور دوسری کتاب واضح قرآن کی آیات ہیں۔ کتاب اور واضح قرآن کو دو الگ حیثیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید سے قبل صحیفوں اور کتابوں کا ذکر مثلاً تورات، زبور، انجیل اور صحیفے اور قرآنِ مجید اُن تمام کی اجمالی صورت ہے اور یہ کتاب کا عنوان واضح اشارہ الر کی طرف ہے جس کے مندرجات کلی کا علم صرف اللہ کو ہے یا اُسے ہے جس کو وہ اس کے کسی حصّے کی اطلاع کردے یعنی غیب سے مطلع فرمادے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام کتابیں اور صحیفے قرآنِ پاک میں سمو دیے گئے ہیں اور قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم کے حروف سے ماخوذ ہے اور اس کی شرح اُن کے ذمہ کر دی جنھیں پہلے قرآن کی تعلیم دی گئی اور پھر جسم ودیعت کیا گیا اور یہی مقطعات کا معجزہ اور کرشمہ ہے۔ ربِ ذوالجلال نے قرآنِ حکیم کو یہ کہہ کر تحفظ عطا کر دیا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

''یقیناً ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور یقیناً ہم ہی ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی حفاظت کو اپنے ذمہ لے اور وہ محفوظ نہ رہے۔ بے شک ضرورت وقت کے تحت مکی اور مدنی سورہ ہائے میں تبدیلی تحریر واقع ہوئی لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ قرآنِ حکیم کی اصل روح غیر محفوظ ہے۔ کتاب حکمت کی اصل روح اپنے الفاظ سمیت محفوظ ہے۔ اب یہ سوچنا انسان کے بس میں نہیں کہ کیسے محفوظ ہے۔ جس طرح قرآنِ حکیم سینے پر نازل ہوا اُسی طرح پاک سینوں میں محفوظ کر دیا۔ اور یہی وہ لوحِ محفوظ پاک ہے جہاں یہ اپنی کتابی

Presented by Ziaraat.com

صورت اور نزولی صورت میں تحریر بھی ہے اور محفوظ بھی ہے۔ سورۂ حجر میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ

"اور یقیناً ہم نے تمھیں سات دہرائی جانے والی آیتیں اور بڑی عظمت والا قرآن دیا ہے"۔

اس آیت پاک کی رُو سے یہاں بھی سبعا من المثانی اور والقرآن العظیم دو الگ چیزیں مگر ایک ہی وقت میں عطا ہوئی ہیں۔ سبعا من المثانی سات دہرائی جانے والی آیات کون سی ہیں، اس ضمن میں مدینۃ العلم جناب امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو ملا کر سورۂ فاتحہ کی سات آیات ہیں اور میں نے خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے خطاب کر کے یہ فرمایا تھا:

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ

"پس سورۂ فاتحہ کے عطا کرنے پر مجھ پر احسان خاص کیا اور اس کو قرآنِ حکیم کا مدِ مقابل اور ہمسر قرار دیا"۔

قابلِ ذکر بات کو یہاں بیان کرنا ضروری ٹھہرا لوگوں کے دریافت کرنے پر امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا:

"قرآنِ حکیم تمام کتب ہائے آسمانی اور تمل کے احکامات آسمانی کا خلاصہ، نچوڑ اور دل ہے اور قرآنِ حکیم کا دل ہے سورۂ یٰسین اور سورۂ یٰسین کا دل سورۂ فاتحہ ہے۔ اور سورۂ فاتحہ کا دل بسم اللہ ہے اور بسم اللہ کا دل "بائے" بسم اللہ ہے اور "بائے" بسم اللہ کا دل نقطہ "بائے" بسم اللہ ہے اور وہ نقطہ "بائے" بسم اللہ میں علیؑ ابنِ ابی طالب ہوں"۔

اب سمجھنے کی بات ہے کہ "ب" بسم اللہ کے نقطہ ہی سے "ب" بسم اللہ تشکیل

Presented by Ziaraat.com

پاتا ہے اور یہی باب مدینۃ العلم ہے جس کے کھلنے سے فہم علم تک رسائی ہو سکتی ہے ورنہ ناممکن ہے۔

اس لیے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس کی شرح کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"وہ سورۂ فاتحہ ہم اہلِ بیتِ نبیؐ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن سے ملایا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ قرآن اور ہمیں الگ نہ کیا جائے کیوں کہ ہم حوضِ کوثر پر پہنچنے تک جدا نہ ہوں گے"۔

یہاں یہ بیان کرنا بھی خالی از حکمت نہیں ہے۔ دو رکعت نماز میں سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھی جاتی ہے اور چار رکعت کی صورت میں پہلی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ واجب و لازم ہے جبکہ آخری دو رکعت میں واجب نہ ہے۔ اس کے برعکس آخری رکعت میں دیگر آیات کی تلاوت کی آسانی عطا فرمائی گئی ہے۔ ہر دو رکعت میں دہرائی جانے والی آیات کی تعداد چودہ بنتی ہے۔ علمائے عظام اس پر متفق ہیں کہ اس سے مراد چہاردہ معصومین ہیں، کیونکہ چہاردہ معصومین کے مبارک نام سات ہی ہیں محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ، جعفر صادقؑ اور موسیٰ کاظمؑ دیگر سات میں سے ایک حسنؑ ہے تین علیؑ ہیں اور تین محمدؐ اور سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ بھی یہی دلالت کرتا ہے سات کا دو چند یعنی چودہ اور تعداد معصومینؑ بتا دی بس بات صرف تدبر سے کام لینے کی ہے۔

یہی تو فخر ہے خدا جنھیں چاہتا ہے
میرا وسیلہ و افتخار وہی چودہ ہیں

Presented by Ziaraat.com

تیسرا باب

الٓمّٓرٰ

قرآن مجید کے پارہ ۱۳ سورۂ رعد میں ہے:

الٓمّٓرٰ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتٰبِ وَالَّذِیٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ○

"الٓمّٓرٰ، یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور جو کچھ تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھاری طرف نازل کیا گیا ہے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے بغیر ستونوں کے آسمانوں کو بلند کیا جس کو تم دیکھتے ہو پھر وہ عرش پر مستوی ہوا اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہر ایک مقررہ شدہ مدت کے لیے چل رہا ہے۔ وہی تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار سے ملاقات کا یقین کرلو"۔

اس سے قبل کہ اس سورہ المر کے نفسِ مضمون کی طرف رجوع کیا جائے ضروری ہو گیا ہے کہ متذکرہ سورہ میں حروف مقطعات کی ترتیب اور تشکیل پر غور کیا جائے۔ ایسے تمام سورہ ہائے جن کو الم اور الر سے شروع کیا گیا ہے اُن میں مجموعی

Presented by Ziaraat.com

طور پر الف لام میم اور الف لام را کی ترتیب استعمال ہوئی ہے ان دونوں صورتوں میں الف اور لام مشترک ہیں اور میم اور را کی انفرادی حیثیت ہے۔ اب الف لام اجتماعی اور میم را انفرادی حیثیت کو جوڑنے سے نیا حروف مقطعات کی شکل میں آنے والا المر بن گیا اور سورۂ رعد کو ان ہی حروف سے عنوان دیا گیا ہے۔ رعد کیا ہے؟

آنحضرت محمد ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سرکار رعد کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے اس کے پاس آگ کے چابک ہیں جن کے ذریعہ سے بادلوں کو ہنکالے جاتا ہے"۔ (تفسیر صافی، ص ۲۵۹)

من لا یحضرہ الفقیہ ہے میں کہ رعد فرشتہ مکھی سے بڑا اور بھڑ سے چھوٹا ہے بھڑ یعنی زنبور مذکورہ سورہ کی ابتدائی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق اور اس میں زندگی کے لیے ایک نظام الاوقات واضح کر دیا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ وہ ہی تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور تمام نشانیوں کو مفصل انداز میں بیان کرتا ہے کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر لو، گویا ان آیات میں تخلیق سے قیامت تک کے مضمون کو بند کر دیا ہے۔ اس سے آگے انسانی ضروریات سے لے کر موت اور بعد الموت یعنی مٹی ہونے کے بعد دوبارہ پیدائش کے ساتھ ساتھ ارحام (بچے دانیاں) کے اندر کی حالت اور اس کے بعد کے تحفظ کی بات ہے۔ انسانوں (قوموں کی تبدیلی حالت) کا ذکر ہے۔

اعمال کی بصیرت کے لیے فرمان قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ "کہہ دو کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہوا کرتے ہیں"۔ اسی سورہ میں ذکرِ میثاق بھی ہے۔ انبیاء کے معجزوں پر اختیار کی بات بھی ہے اور اس سورہ کا اختتام اس آیت پاک پر ہے:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا
بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ

Presented by Ziaraat.com

''اور وہ لوگ جو کافر ہو گئے کہتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا نبی نہیں ہے۔ اے رسولؐ! تم کہہ دو کہ مرے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے اور وہ بھی جس کے پاس کتاب (ہر کتاب) کا علم ہے''۔

سورہ کا آغاز بھی کتاب سے اور اختتام بھی کتاب پر ہے اور کتاب کے لیے المر کو عنوان بنایا۔ اور رسالت کی گواہی کے لے اللہ تعالیٰ نے خود کو گواہ بنایا بلکہ کافی گواہ کہا اور ایک دوسرا گواہ ٹھہرایا جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ ظاہر ہے جس کے لیے گواہی کا ذکر ہے وہ خود اپنا گواہ تو نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ کوئی دوسرا گواہ ہے جس کے پاس کتاب کا علم ہے اور حروف مقطعات کی لغویت اور معنویت کا علم رکھتا ہے اور وہ وہی ہے جو اس عقدہ کو حل کر سکتا ہے۔

احتجاج طبری میں ہے کسی شخص نے جناب امیر المومنین علی علیہ السلام سے پوچھا کہ آپؑ کی سب سے افضل تعریف کیا ہے؟ آپؑ نے المر کی آخری آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ سے مراد میں ہی ہوں۔

اسی طرح ''المجالس'' میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذکورہ آیت کے معنی پوچھے گئے تو آپ نے فرمایا: یہ جو دوسرے گواہ کا ذکر ہے وہ میرا بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے اور وہی مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ دین اسلام کے نظام عدل میں دو گواہ لازم قرار دیے۔ نیز بنی نوع انسان پر واضح کر دیا گیا کہ خدائے بزرگ و برتر لا وجود ہے اور کسی صورت میں بھی لا وجود کی گواہی شکل و صورت میں ممکن نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ کی باطنی گواہی اور کتاب کا علم رکھنے والے کی ظاہری گواہی پر ایمان لانا ہوگا۔

Presented by Ziaraat.com

چوتھا باب

الٓمٓصٓ

پارہ ۸، سورۂ اعراف میں ہے:

الٓمٓصٓ ○ کِتَابٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْہُ لِتُنْذِرَ بِہٖ وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ سے ابتدا ہے۔

الف لام میم۔ صاد حروف مقطعات میں سے ہیں۔ اس سورہ کو بھی کتاب ہی کے عنوانِ ثانی سے شروع کیا گیا ہے۔ المص کو پوری آیت کے طور پر بتایا گیا اور کتب اُنزل اس سے مربوط ہے۔ مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ یوں ہے:

"المص، یہ کتاب تم پر نازل کی گئی ہے تاکہ تم اس کے ذریعے سے لوگوں کو ڈراؤ یہ مومنوں کے لیے ایک نعمت ہے پس اس سے تمھارے سینے میں کوئی تنگی نہ ہو"۔

اس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ یہ مومنوں کے لیے نعمت ہے۔ اس سے تنگی کی بجائے فرحت محسوس کرو۔ یہ تعین کرنا کہ نعمت کیا شئے ہے یہ طویل بحث ہے۔ بہر حال نعمت وہ چیز ہے جس سے سکون میسر ہو اور نعمت کے بارے میں آخرت میں پوچھا جائے گا۔ شکرِ نعمت اور کفرانِ نعمت ہی اعمال کا معیار ہوگا۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ اور وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ کے مطابق جس کے اعمال صالح کم ہوں گے وہ خسارہ اٹھائے گا اور جس کے اعمال صالح بڑھ جائیں گے وہ کامیاب ہوگا۔ اور موازینہ سے مراد میزان ہے اور ہر امت کی میزان اس امت کا نبی اُس کا وصی اور اس کی شریعت ہے۔ اس کتاب کی آیات کو جھٹلانے

Presented by Ziaraat.com

والوں کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ

"یقیناً وہ لوگ جنھوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور اُن سے تکبر کیا اُن کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائیں"۔

تفسیر صافی، ص ۱۷۲ پر ہے کہ مومنین کے اعمال اور روحوں کی رفعت دی جاتی ہے اور اُن کے کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور جب کافروں کے اعمال اور روحوں کو اوپر لے جاتے ہیں تو اُن کے لیے آسمان کے راستے نہیں کھلتے اور ایک منادی آواز دیتا ہے کہ اسے سجین میں اُتار دو۔ یہ حضر موت میں ایک وادی ہے جس کا نام موہوت ہے۔

تفسیر صافی ہی میں ہے کہ کافر جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے جب تک کہ ناممکن امر ممکن نہ ہو جائے جو کبھی نہ ہو سکے گا۔ کیوں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اتنے بڑے جسم والا اونٹ سوئی کے ناکے سے گزر جائے۔ اس لیے کہ اونٹ کے گزرنے کے لیے ایک بڑے کشادہ دروازے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی سورہ میں ایک بار پھر آسمانوں اور زمین کے چھے دن میں پیدا کرنے کا ذکر ہے۔ ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ

Presented by Ziaraat.com

حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا
لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

"یقیناً تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے دن میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر مستوی ہوا اور رات کو دن سے ڈھانپتا ہے جو جلدی جلدی اُس کی تلاش میں پیچھے چلا آتا ہے۔ اور سورج اور چاند اور تارے اُس کے حکم کے تابع ہیں آگاہ رہو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا اُسی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کل جہانوں کا پرورش کرنے والا صاحب برکت ہے"۔

آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور اس کے علاوہ کا ذکر چھے دنوں سے جڑا ہوا اور میثاق سے بھی تعلق ہے۔

اسی سورہ میں فرمان ہے، "اور ہم نے اُن میں سے بہتوں کو اس عہد کا پابند نہ پایا"۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جن کی سچائی کی تصدیق خود رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ تفسیر صافی، ص ۱۷۹ بحوالہ تفسیر عیاشی حضرت ابوذر غفاریؓ سے منقول ہے کہ روز میثاق جن جن لوگوں سے عہد لیا گیا تھا اُن میں سے کسی نے بھی عہد خدا کو پورا نہ کیا سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلِ بیتؑ اور اُن خالص پیروکاروں کے ایک گروہ کے۔

اسی سورہ میں انتہائی اہم لفظ (اُمی) کا ذکر ہے ارشاد ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ
مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ

"وہ لوگ جو اس رسول نبی اُمی کی پیروی کرتے ہیں جس کے

Presented by Ziaraat.com

اوصاف کو وہ اپنے پاس توراتِ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں"۔

لفظ اُمی کے بارے میں عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ چونکہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اس پر آپ کو امی کہا جاتا ہے۔

علل الشرائع میں منقول ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے لوگوں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالٰی سورۂ جمعہ میں فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

"وہ خدا ہی ہے جس نے (اُمیین) اُم القریٰ کے رہنے والوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا، جو اس کی آیات انھیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور اپنی کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

اگر آپ لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے تو آپؐ اُس کی اُن کو تعلیم کیوں کر دیتے تھے؟ خدا کی قسم رسولؐ خدا تہتر زبانوں (ظاہری طور پر) میں لکھ پڑھ سکتے تھے۔ خدائے لم یزل کے فرمان کے مطابق آپؐ کو پہلے علم عطا کیا گیا اور بعد میں وجود بخشا گیا۔

اسی سلسلہ میں تفسیر عیاشی میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ فرزندِ رسولؐ! آنحضرت ﷺ کو اُمی کیوں کہا گیا؟

آپؑ نے فرمایا: مکہ سے نسبت رکھنے کی وجہ سے جیسا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا

"تاکہ تم ام القریٰ اور اس کے ارد گرد رہنے والوں کو ڈراؤ"۔

آپ ﷺ کو امی اس لیے کہا گیا کہ آپ مکہ کے رہنے والوں اور مکہ

Presented by Ziaraat.com

ان بستیوں میں سے ہے جو ام القریٰ کے نام سے موسوم ہیں۔

مذکورہ سورہ کے اختتام میں انتہائی اہمیت کی حامل ایک بات کا ذکر ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ
وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ
الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ

"اور جس وقت قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور اپنے دل میں اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ اور ڈرتے ڈرتے اور بات کو اونچی کہنے کے سوا صبح اور شام یاد کرتے رہو"۔

تفسیر صافی، ص ۱۸۹ بحوالہ من لا یحضرہ الفقیہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے: "جب تم پیش نماز کے پیچھے ہو تو تم پہلی دو رکعتوں میں قرآن کی تلاوت کے وقت کچھ نہ پڑھو بلکہ خاموشی سے سنتے رہو اور پچھلی دو رکعتیں پہلی دو رکعتوں کے تابع ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: "قرآن مجید نماز میں پڑھا جائے یا ویسے پڑھا جائے اُس کے سُننے کے لیے خاموش رہنا واجب ہے"۔

مندرجہ بالا آیت کے ذکر سے کوئی فقہی بات کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ واضح کرنے کی کوشش ہے کہ سورۃ الاعراف پارہ ۸، المص کتاب کے عنوان سے شروع ہو کر قرآن کتاب کے پڑھنے اور سننے پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ دونوں کو ملا کر دیکھا پڑھا اور سمجھا جائے تو حروف مقطعات کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اس سے قبل بھی یہ بات احاطہ تحریر میں آچکی ہے تاہم قارئین کی سہولت کے لیے مکرر تحریر ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب اور کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں کوئی حرف یا

Presented by Ziaraat.com

لفظ بے معنی ممکن نہیں۔

تفسیر صافی، ص ۱۶۸ پر بحوالہ عیاشی منقول ہے: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جس کا تعلق بنی امیہ سے تھا، اُس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں المص فرمایا ہے اس سے کیا مطلب نکالا جائے؟ اس میں حلال وحرام کیا چیز ہے اور ایسی کیا چیز ہے جس میں لوگوں کا نفع ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر آپ علیہ السلام کو غصہ آ گیا اور فرمایا:

آپؑ نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر خاموش رہ۔ الف کا عدد ایک ہے اور لام کے ۳۰ ہیں۔ میم کے ۴۰ اور ص کے ۹۰۔ اس طرح سب کا مجموعہ ۱۶۱ ہوا۔ اُس نے عرض کیا: ہاں یہی مجموعہ بنتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: جب ۱۶۱ ہجری ختم ہو جائے گی تو بنی امیہ کی سلطنت ختم ہو جائے گی۔

راوی کہتا ہے کہ میں اس پر غور کرتا رہا اور جب ۱۶۱ ہجری ختم ہوئی تو اُس کے ساتھ ہی بنی اُمیہ کی سلطنت ختم ہو گئی۔

سورۂ اعراف کی ابتداء:

الٓمّٓصٓ ○ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (آیات نمبر ۱، ۲)

"المص، یہ کتاب تم پر نازل کی گئی ہے۔ پس تمہارے سینے میں اس سے کوئی تنگی نہ ہو۔ تم اس کے ذریعے سے لوگوں کو ڈراؤ، یہ مومنوں کے لیے ایک نعمت ہے"۔

آگے چل کر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سے مخاطب ہے کہ بہت تھوڑے ہیں جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر ہم نے رات کے وقت یا دوپہر کو جب وہ قیلولہ کر رہے تھے عذاب نازل کیا۔ وہ ایسے ہی لوگ ہوں گے۔ وہی لوگ جنھوں

Presented by Ziaraat.com

نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال دیا جو ہماری آیتوں کے ساتھ ظلم کیا کرتے تھے۔

فَاُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ بِمَا کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ (آیت۹)

اس آیت مبارکہ میں آیات پر ظلم کرنے کے حوالے سے بات کی گئی۔ آیات سے مراد کیا ہے اور ظلم کیسے ہوا؟ تاریخ گواہ ہے آیات سے مراد آلِ اطہار رسولؐ ہیں اور اُن پر مظالم داستان ناگفتنی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا اوپر ذکر کیا گیا۔ فرمان المص کی تشریح سے مربوط ہے اور حروف مقطعات کے اندر چھپے اسرار کو کھول کر بیان کرتا ہے۔

اس سورہ میں ہر اُمت (گروہ) کے لیے وقت کو خاص کیا گیا ہے۔ کہ ہر اُمت کے لیے ایک وقت معین (اجل کا) ہے۔ پس جب اُن کا مقررہ وقت آجائے گا تو وہ ایک ساعت کے لیے بھی نہ پیچھے رہیں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ

تفسیر صافی، ص ۱۷۲ پر بحوالہ تفسیر عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: ''اجل وہ وقت ہے جو شبِ قدر میں ملک الموت کو بتا دیا جاتا ہے'' اور کافی میں بھی آپ علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''پہلے سال گزر جاتے ہیں پھر مہینے پھر دن پھر سانس پھر جب وقت مقررہ آجاتا ہے تو نہ ایک ساعت پیچھے رہتے ہیں اور نہ ایک ساعت آگے بڑھتے ہیں۔ اور یہی کچھ المص کے اعداد سے عبارت ہے'' ۔

ان کی نسبت نے کیا ہے مجھ کو عاشق معتبر
جن کے ہاتھوں دی خدا نے گردشِ لیل و نہار

Presented by Ziaraat.com

پانچواں باب

کھیعص

پارہ ۱۶ ''سورہ مریم'' حروف مقطعات کا مجموعہ ہے اور پانچ حروف سے تشکیل پانے والا حسین امتزاج ہے۔ اس سورہ میں حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ لیکن ایک خاص بات جس کا ذکر بہت ضروری ہے، قرآنِ مجید کی اس سورۂ مریم سے ارشادِ پروردگار ہے:

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ

''پھر اُن کے بیچ میں سے گروہوں نے اختلاف کیا پس جو لوگ کافر ہو گئے اُن کے لیے ایک بہت بڑے دن کے حاضر ہونے سے خرابی ہے''۔

تفسیر صافی، ص ۱۱۳ پر ہے کہ یہود اور نصاریٰ یا نصاریٰ کے مختلف فرقے ہیں۔ اُن میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ خود خدا ہیں اور کچھ دن کے لیے خدا اسی صورت میں زمین پر آیا تھا اور پھر آسمان پر چلا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے اور نبی ہیں۔

یہود اس وقت سے لے کر ہنوز علمی اور مادی اعتبار سے اس دنیا میں اپنا سکہ جمائے ہوئے ہیں اور اس کے بعد نصاریٰ کا مقام و مرتبہ کچھ ایسا ہی ہے۔ اُس وقت کی فاضلہ قوم کے لوگ اپنی علمی برتری کے باوصف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام و مرتبہ

Presented by Ziaraat.com

اور حیثیت کا تعین کرنے میں ناکام رہے۔ کوئی انھیں خدا اور کوئی خدا کا بیٹا اور کوئی خدا کا بندہ کہنے لگا اور آج بھی یہی کہتا ہے حالانکہ یہ واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے اور حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے اپنے امر یعنی "کن" سے پیدا کیا۔ اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس سے قبل کی تولیدی فطرت سے ہٹ کر پیدا کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو بھی خلاف عقل ایک نئی حقیقت عطا فرمائی۔

عقلِ انسانی کہاں تک تولیدی معنویت میں بھٹکے یہ سمجھنے کے لیے کافی نہیں کہ اس کے بعد آدم علیہ السلام کا وجود تا قیامت انسانی تولید و تخلیق کا سبب ہے۔ خالقِ حقیقی کے "کن" کے تابع حرف سے وجود تک جو چیز بھی ہے با معنی ہے، بس تدبر کی ضرورت ہے۔ سورۂ مریم میں یوں تو انبیاء کا بھی ذکر ہے۔ لیکن حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت مریم سلام اللہ علیہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ ایک دوسرے سے باہم متعلق ہے ان پانچ نفوس میں اس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت مریم علیہا السلام کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

Presented by Ziaraat.com

چھٹا باب

طسٓمّٓ

پارہ ۱۹ "سورۃ شعراء" بھی حروف مقطعات طسٓمّٓ سے شروع ہے۔ سہ حرفی مرکب "طسٓمّٓ" ایک مکمل آیت ہے اور دوسری آیت:

تِلْكَ آيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ ۝

"طسٓمّٓ یہ بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ شاید تم اس بات پر اپنی جان ہلاک کرنے والے ہو کہ وہ ایمان لانے والے کیوں نہیں ہوتے۔ اگر ہم چاہیں تو ہم اُن پر آسمان سے ایک نشانی اُتاریں اور پھر اُن کی گردنیں اس کے لیے جھک جائیں"۔

حسبِ روایت اور امر یہاں بھی طسٓمّٓ اور تِلْكَ آيَاتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ باہم متعلق مربوط ہیں۔ کہا یہ گیا ہے کہ طسٓمّٓ یہ بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے پریشان ہو۔ ان کی گردنیں جھکانے کے لیے قیامت کی طرح کا ایک وقت معلوم ہے۔ اُس وقت ایک نشانی آسمان سے اُترے گی۔ اور اس طرح ہی ان کی ہلاکت ہوگی۔

آگے چل کر مذکورہ سورۂ پاک میں ارشاد ہے:

Presented by Ziaraat.com

وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِيْنَ

''اور میرے لیے آخری آنے والے لوگوں میں سچائی کی ایک زبان مقرر کر دے''۔

تفسیر قمی، ص ۱۶۰ کے مطابق اس سے مراد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ اور یہی موضوع تفسیر صافی، ص ۳۶۶ پر بحوالہ کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ دُعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے مانگی بالکل ویسے ہی جیسے تمام درجات کی بلندی کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیمؑ! میں تجھے انسانوں کا امام بنانے والا ہوں تو ابراہیمؑ نے عرض کیا: پالنے والے، تو پھر میری اولاد سے بھی۔ حکم ہوا کہ اے ابراہیمؑ ہوگا۔ مگر وہ ظالموں میں سے نہ ہوں گے۔

معانی الاخبار، ص ۵۰ مطبوعہ ایران میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا قبول فرمائی اور اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام کو آخرین (دیگر انبیاء و صالحین) کے لیے لسانِ صدق قرار دیا اور قول باری تعالیٰ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا سے یہی مراد ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ

''اور تم اپنے سب سے زیادہ قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ''۔

دعوت ذوالعشیرۃ کا واقعہ مکی ہے اور اللہ کے حکم کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قریبیوں کو دعوت دی۔ آپؐ نے کھانے کے بعد لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اس سلسلہ میں میرا ناصر، میرا وزیر، میرا وصی اور میرا خلیفہ کون ہوگا؟ اس پر ابولہب کے اُکسانے پر

Presented by Ziaraat.com

محمدؐ نے تم پر جادو کر دیا ہے، سب اٹھ کر چلے گئے۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہُوا۔ غرض تیسرے دن بھی دعوت کی اور دعوت کے بعد رسول اکرمؐ نے وہی سوال دہرایا تو حضرت علیؑ جن کی عمر سب سے کم تھی، کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: یارسولؐ اللہ! میں حاضر ہوں۔ فرمایا: بے شک تم ہی ہو اور لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا پر مہر ثبت کر دی۔

سورۂ قصص پارہ ۱۹ کا آغاز بھی طا۔ سین۔ اور میم کو ملا کر طٰسٓمٓ کی صورت دے کر کیا ہے۔ حروف مقطعات کا یہ مجموعہ بھی ایک مکمل آیت ہے۔ اور اس سے آگے نَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ طٰسٓمٓ۔ "یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔ تجھے ہم سچائی کے ساتھ موسیٰ اور فرعون کے قصے میں سے کچھ اِن لوگوں کے لیے پڑھ کر سناتے ہیں، جو ایمان لائے ہیں"۔

اِس قصہ میں فرعون کی سرکشی کا ذکر ہے جو خود کو خدا کہلواتا اور بزور منواتا ہے اور ہر بے بسی پر مزید سرکشی کرتا ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو، جو زمین پر کمزور سمجھے گئے، امام بنانے اور انھیں وارث بنانے کا ارادہ کرتا ہے اور بالآخر انھی بندوں کو غلبہ عطا کرتا ہے اور خدائی کا دعویٰ کرنے والے کو ساتھیوں سمیت غرق کر دیتا ہے۔ اس سے قبل کے واقعات مدائن کا سفر واقعۂ طور معجزات کی عطائیگی اور حکم تبلیغ کے ساتھ بطور مددگار اور وصی حضرت ہارون علیہ السلام کی نامزدگی کا تذکرہ ہے۔

قیامت کا ذکر ہے:

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ

"اور جس دن اللہ تعالیٰ انھیں آواز دے گا اور پھر کہے گا: تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا"۔

اس ضمن میں تفسیر صافی، ص ۳۸۱ بحوالہ تفسیر قمی منقول ہے کہ عامہ نے روایت

Presented by Ziaraat.com

کی ہے کہ یہ بدا قیامت کو ہوگی اور خاص کی روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ ہے کہ "بندہ جب قبر میں داخل ہوگا اور وہ اُس سے خوف زدہ ہوگا تو اُس سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں پوچھا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو تمھارا پشت پناہ تھا؟ پس اگر یہ مومن تھا تو کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ہیں اور سچائی لائے ہیں۔ پس اُسے کہا جائے گا کہ اب چین سے رہو اور اُس قبر میں سات گز تک فراخی کر دی جائے گی۔ اور وہ جنت میں اپنا مکان دیکھ لے گا، اور اگر یہ بندہ کافر تھا تو کہے گا: میں نہیں جانتا پھر اُسے ایک ایسی ضرب لگائی جائے گی کہ سوائے انسان کے سب مخلوق سن لے گی اور شیطان اُس پر مسلّط ہو جائے گا، اور اس کی آنکھیں تانبے کی مثل کوندتی بجلی کے ہوں گی۔ شیطان اُس سے کہے گا: میں تمھارا بھائی ہوں پھر اُس پر سانپ اور بچھو مسلط ہو جائیں گے۔ اُس کی قبر میں اندھیرا چھا جائے گا اور قبر اُس کو اس طرح بھینچے گی کہ اُس کی پسلیاں (ٹوٹ کر) جدا ہو جائیں گی"۔

سورۂ قصص کے تمام مندرجات دراصل طٰسٓمٓ کے اجمال کی چھوٹی سی تفصیل ہے، جس کا ادراک ضروری ہے۔

Presented by Ziaraat.com

ساتواں باب

طٰسٓ

پارہ ۱۹ "سورۂ نمل"

طٰسٓ ، تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ

"طٰسٓ، یہ قرآن اور بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ یہ کتاب مومنوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اپنی آخرت پر یقین رکھتے ہیں"۔

یہاں طٰسٓ یعنی یہ طس قرآن اور بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں گویا طس ایک خزانہ ہے جسے قرآن کو بیان کرنے والی کتاب کی مدد سے تلاش کرنا ہے اور یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک قرآن و کتاب کے علم کے حامل سے رجوع نہ کیا جائے۔ یا کم از کم اُس سے رجوع کیا جائے جو حضرات محمدؐ و آل محمدؐ کی معرفت رکھتا ہو۔ جیسے سورۂ قصص کی آیت اِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ کی تفصیل میں تفسیر صافی، ص ۳۸۲-۳۸۳ بحوالہ تفسیر قمی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا: تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیرالمومنین اور معصومین علیہم السلام بھی رجعت فرمائیں گے۔ حضرت امام زین العابدینؑ

Presented by Ziaraat.com

کے سامنے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جابر پر رحم کرے یقیناً اُن کا علم اس درجہ تک پہنچ گیا کہ اس آیت کی تاویل سے واقف تھے یعنی مسئلہ رجعت الی معاد سے مراد رجعت کا زمانہ ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

"پس جب وہ اُس کے پاس آیا، آواز دی گئی جو آگ میں ہے اور جو اس کے گرد ہے برکت دیا گیا ہے"۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جو آگ میں ہے یا اس کے گرد ہے برکت دیا گیا ہے۔ یعنی برکت دینے والا اور ہے جسے برکت دیا گیا ہے وہ اور ہے۔ لہٰذا جو آگ میں تھا یا اس کے گرد تھا وہ اللہ تعالیٰ تو ہو نہیں سکتا لازماً وہ کوئی اور ہوگا جسے اللہ تعالیٰ نے برکت دی اور وہ اللہ تعالیٰ کی برکت کا محتاج تھا یہ وہی تھا جو کہتا ہے کہ اَنَا صَاحِبُ الطُّوْرَ اَنَا ذٰلِكَ النوطُ القَاهِرُ، جب کہ عامہ کے مطابق کچھ اور ہے۔ اب اس کا کیا کیا جائے گرہ کھلنے ہی کے لیے ہوتی ہے جب کھلتی ہے تو بیش بہا رُموز آشکار ہوتے ہیں۔ اسی سورہ میں اس کی ایک مثال دی گئی ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت بلقیس کے بارے میں اپنے سرداروں سے کہا کہ تم میں سے کون ہے کہ میرے پاس اُس کا شاہی تخت لے کر آئے۔ پیش تر اس کے کہ وہ فرماں بردار ہو کر میرے پاس آئے۔ جنوں میں سے عفریت نے کہا کہ میں اسے تیرے پاس لے آؤں گا پیش تر اس کے کہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور یقیناً میں اس پر طاقتور امانت دار ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا کچھ تھوڑا سا علم تھا اُس نے کہا: میں اسے تیرے پاس لے آتا ہوں پیش تر اس کے کہ تیری نگاہ تیری طرف پھر آئے (پلک جھپکنے میں) قرآنِ مجید کے مطابق: قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا

Presented by Ziaraat.com

آتِيكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ۔

روضۃ الواعظین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا تھا کہ جس کے بارے میں کتاب کے علم کا ذکر ہے کہ اُس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا وہ کون تھا؟ آپؐ نے فرمایا: یہ میرے بھائی سلیمان علیہ السلام بن داؤد علیہ السلام کے وصی آصف بن برخیا تھے"۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا وہ پلک جھپکنے میں تخت بلقیس اتنی دور سے لے آیا اور جس کے پاس کتاب خدا کا پورا پورا علم ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (پارہ ۱۳ سورۂ رعد)۔ اُس کی قوت اور حیثیت کا کیا کہنا۔ جس کی ردِ شمس ایک چھوٹی مثال ہے۔ اور آخر میں ارشاد ہے:

وَاَنْ اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ مَنْ
ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَا اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ

"اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کروں پس جس نے ہدایت پائی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے ذات کے لیے ہی ہدایت پاتا ہے اور جو بہک گیا تو ما سوا اس کے نہیں کہ میں ڈرانے والوں میں سے ہوں"۔

گویا سورۂ پاک میں ابتدا سے لے کر اختتام تک کا نفسِ مضمون طٰسٓ سے ماخوذ ہے۔ پس اس کو سمجھنا لازم و ضروری ہے کیونکہ اسی سورۂ پاک میں ذکر غیب ہے بحوالہ نہج البلاغہ، تفسیر صافی، ص ۳۷۲ پر ہے کہ ایک دن امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے بعض ایسے امور کی خبر دی جو ابھی نہیں ہوئے تھے۔ اس پر کسی نے کہا: یا امیر المومنینؑ! کیا آپؑ کو علم غیب عطا کیا گیا ہے؟ آپؑ مسکرائے اور فرمانے لگے:

Presented by Ziaraat.com

یہ علم غیب میں سے نہیں ہے، بلکہ یہ تو صاحب علم کے سیکھنے پر موقوف ہے ماسوا اس کے نہیں کہ علم غیب قیامت کا علم ہے اور وہ چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں شمار کیا ہے:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ

اور پھر فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

"پس اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ رحموں میں لڑکا ہے یا لڑکی، بدصورت ہے یا خوب صورت، سخی ہے یا بخیل، بدبخت ہے یا سعید، دوزخ کا ایندھن ہوگا یا بہشت میں نبیوں کا مصاحب۔ پس یہ ہے علم غیب جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ ایک علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تعلیم فرمایا اور انھوں نے مجھے سکھلایا۔ اور دُعا کی کہ میرا سینہ اس علم کو محفوظ رکھے اور میرے اعضاء اور جوارح اس پر حاوی رہیں"۔

لہٰذا یہ سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے کہ مقطعات سے لے کر تمام علوم تک ایک خاص سینہ میں محفوظ ہیں اور صرف وہیں سے اِن کے معانی کو سمجھا جا سکتا ہے۔

راز کُن فکاں محفوظ ہے جس کے سینے میں
وہ علیؑ ہے آؤ اُسی سے پوچھ لیتے ہیں

Presented by Ziaraat.com

اٹھواں باب

حٰمٓ

سورۂ مؤمن پارہ ۲۴ " میں ارشاد ہے:

حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

"حم، اس کتاب کا اُتارنا زبردست سب علم رکھنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جو گناہ بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا ہے سخت عذاب کرنے والا، مہربانی کرنے والا ہے۔ کوئی معبود نہیں اس کے سوا۔ اس کی طرف بازگشت ہوگی"۔

اس سورۂ پاک کو حروف مقطعات کے دو حرفی مرکب حم سے شروع کیا گیا ہے اور حم کو ایک پوری آیت کے طور پر دیا گیا ہے۔ آیت ایک مکمل بات ہوتی ہے اور سمجھ میں آنے والی ہوتی ہے اور اگر سمجھ میں نہ آنے والی ہو یا اُس کا کوئی مطلب و معانی نہ نکلتے ہوں تو اُسے مکمل بات نہیں کہا جا سکتا۔ اس ضمن میں تفسیر صافی، ص ۴۴۲ بحوالہ معانی الاخبار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حم کے معنی ہیں "الحمید، المجید" اور پھر آگے اس کتاب کا اُتارنا زبردست سب علم رکھنے والے کی طرف سے ہے جو کُل اختیار کا مالک ہے۔ یہاں بھی روایت کو برقرار رکھا گیا ہے کہ حمٓ ہی وہ کتاب ہے جس کے اترنے کا ذکر ہے۔ گویا "الحمید

Presented by Ziaraat.com

المجید" ہی وہ کتاب ہے جس میں سب کچھ پوشیدہ ہے اسی سورہ میں ارشاد ہے:

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ

"بلند کرنے والا درجوں کو عرش والا، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے امر سے روح ڈال دیتا ہے، تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے"۔

تفسیر صافی، ص ۴۴۳ بحوالہ تفسیر قمی مروی ہے کہ "الروح" سے مراد روح القدس ہے اور وہ آنحضرت ﷺ اور آئمہ الطاہرین علیہم السلام سے منصوص ہے۔

ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی بعثت اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر جواب دینے سے ڈراتے رہے۔ اور لوگوں کو اُن کی تخلیق کا مقصد بتاتے رہے۔ اور وہ اللہ کے مخصوص بندے تھے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا امر (الروح) ڈالا اور وہ اس منشا و مرضی کے مطابق اپنی ذمہ داری نبھاتے رہے اور یہ ممکن نہیں کہ انسانیت کا سلسلہ تو قیامت سے جڑا ہُوا ہو اور ڈرانے والا ہادی نہ ہو اس لیے یہ بات مسلّم ہے کہ وہ مخصوص بندے نبی اکرم ﷺ کے بعد وہ ہی ہیں جن کے متعلق آنحضرتؐ نے آگاہ فرمایا۔

چونکہ اس سورہ کا نام 'المومنؑ' ہے اور اس کے اندر جو کچھ بیان ہے اُس میں سے ایکؑ بات ایک مومن کا ذکر بھی ہے اور وہ مومن کون ہے، ارشاد رب العزت ہے:

فَوَقَاهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ

"پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں تدبیروں کی برائیوں سے بچایا جو وہ کرتے تھے اور فرعون کے خاندان کو عذاب کی سختی نے گھیر لیا"۔

Presented by Ziaraat.com

تفسیر صافی، ص ۴۴۴ پر بحوالہ احتجاج طبری حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "فرعون کو کچھ لوگوں نے حزقیل کے خلاف بھڑکایا کہ وہ تیرے خلاف دشمنوں کی مدد کرتا ہے اور لوگوں کو تیری مخالفت کی دعوت دیتا ہے چنانچہ فرعون نے حزقیل کو اور اُن لوگوں کو ایک ہی وقت میں حاضر کیا اور سوال کیا کہ کیا تم میرے رب ہونے کے منکر ہو اور کفرانِ نعمت کرتے ہو۔ حزقیل نے کہا: اے بادشاہ! کیا اس سے پہلے مجھ پر کبھی جھوٹ کا الزام قائم ہوا ہے؟ فرعون نے کہا: نہیں۔ حزقیل نے کہا: اب ان لوگوں سے پوچھو کہ ان کا رب کون ہے؟ اُن لوگوں نے کہا: یہی فرعون، پھر اُن سے پوچھا: ان کا خالق کون ہے؟ انھوں نے کہا: فرعون۔ پھر پوچھا: تمھارا رازق کون ہے جو تمھاری معیشت کا کفیل ہے اور تم سے ہر قسم کی تکلیف دُور کرنے والا ہے؟ انھوں نے کہا: یہی فرعون۔ حزقیل نے کہا: اے فرعون! اس وقت میں خود تمھیں اور ان سب کو جو اس وقت تمھارے پاس حاضر ہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ جو ان کا رب ہے وہی میرا رب ہے اور جو ان کا خالق ہے وہی میرا خالق ہے اور جو ان کا رازق ہے وہی میرا رازق ہے اور جو ان کے امورِ معیشت کی اصلاح کرنے والا ہے وہی میرے امورِ معیشت کی اصلاح کرنے والا ہے۔ میرا رب میرا خالق میرا رازق اُن کے رب کے خالق اور اُن کے رازق کے علاوہ نہیں ہے اور میں خود تمھیں اور ان سب کو جو تیرے پاس حاضر ہیں گواہ کر کے کہتا ہوں کہ سوائے اُن کے رب، اُن کے خالق اور ان کے رازق کے اور جو کوئی رب اور خالق اور رازق ہو میں اُس سے بری ہوں۔ حزقیل کہہ رہے تھے کہ اُن کا رب تو اللہ تعالیٰ ہے، وہی میرا رب ہے۔

یہی بات فرعون اور اُس کے درباریوں پر مخفی رہی اور وہ یہی گمان کرتے رہے کہ یہ فرعون ہی کو اپنا رب خالق اور رازق جانتا ہے۔ یہ سن کر فرعون نے کہا:

Presented by Ziaraat.com

اے برے لوگو اور میرے ملک میں فساد کے طلب کرنے والو! تم میرے اور میرے چچا زاد بھائی اور قوت بازو کے درمیان فتنہ چاہنے والے ہو۔ تم بری سزا کے مستوجب ہو گئے، اس لیے کہ تم نے میرے امور میں فساد ڈالنا اور میرے چچا زاد بھائی کو ہلاک کرانا چاہا، جو میرا قوت بازو ہے۔ فرعون نے اُن کے سینوں میں میخیں گڑوا دیں اور آروں سے اُن کے بدنوں سے گوشت کو کاٹ ڈالا۔

یہی وہ واقعہ ہے جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اُنھوں نے حزقیل کو ہلاک کروانے کے لیے تدبیر کی تھی اُس کا قہر یہ ہوا کہ اُن کو عذاب کی سختی نے گھیر لیا اور اُن کے بدنوں سے گوشت کو آروں سے کاٹا گیا ہے اور حزقیل کے بارے میں تفسیر قمی میں حضرت محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے: وہ مرد مومن فرعون کا ماموں زاد / چچا زاد بھائی تھا وہ فرعون کے خزانوں کا مالک تھا اور اُس نے چھے سو برس اپنا ایمان پوشیدہ رکھا اور وہ وہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ

اور یہی کچھ حضرت امام رضا علیہ السلام سے تفسیر صافی ۴۴۴ بحوالہ عیون اخبار الرضاء منقول ہے۔ مذکورہ سورہ ہی کے آخر میں ہے:

فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي
قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ

تفسیر صافی، ص ۴۴۶ پر بحوالہ عیون اخبار الرضا منقول ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو کیوں غرق کیا۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا تھا؟ اس کی توحید کا اقرار کر لیا تھا؟ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ وہ عذاب دیکھ کر ایمان لایا تھا اور عذاب دیکھ کر جو ایمان لایا جائے وہ مقبول نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ پہلوں کے لیے بھی تھا اور پچھلوں کے لیے بھی ہے۔

Presented by Ziaraat.com

اسی طرح 'کافی' میں ہے کہ متوکل عباسی کے پاس ایک عیسائی مرد لایا گیا جس نے مسلمان عورت کے ساتھ زنا کیا تھا۔ پس اُس نے اُس پر حد جاری کرنا چاہی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ تب کہا گیا کہ اُس کے ایمان نے اُس کے شرک اور فعل بد کو محو کر دیا۔ بعضوں نے کہا: اسے تین حدیں لگنا چاہئیں اور اس کے علاوہ اور بہت کچھ بھی کہا گیا۔ آخر متوکل نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے پاس کسی کو بھیج کر یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: اُسے اس قدر پیٹا جائے کہ وہ مر جائے۔ لوگوں نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ یہ بات ایسی ہے کہ اس کے بارے میں خدا کی کتاب بولتی ہے نہ ہی اس کے متعلق سنتِ رسولؐ میں پایا جاتا ہے۔

چنانچہ دوبارہ آپؑ سے اس کی وضاحت طلب کی گئی۔ پس آپؑ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے کے بعد یہی دو آیات لکھ کر بھیج دیں تو متوکل نے حکم دیا۔ اُسے اس قدر پیٹا گیا کہ وہ مر گیا۔

قرآنِ حکیم میں ہر چیز کا ذکر ہے کوئی خشک و تر ایسی چیز یا کوئی امر ایسا نہیں جس کا علم نہ ہو۔ اس لیے اس کے سمجھنے کے لیے اُن سے رابطہ ضروری ہے جن کے پاس کتاب کا علم ہے۔ پارہ ۲۵ سورۂ زخرف ارشاد ہے:

> حٰمٓ ○ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ
>
> "حٰمٓ۔ قسم ہے واضح کتاب کی۔ یقیناً ہم نے اُسے فصیح کلام قرآن بنایا۔ تا کہ تم سمجھ لو اور یقیناً وہ اُمّ الکتاب ہمارے نزدیک بلند شان، بڑا حکمت والا ہے"۔

حٰمٓ الحمید والمجید اسمِ اعظم سے ہے اور قرآن کی فصاحت میں بھی کوئی کلام نہیں کیونکہ اس کتاب کے واضح ہونے کی خود قسم کھاتا ہے۔ اور پھر ذکر

Presented by Ziaraat.com

ہے کہ وہ البتہ بلند شان اور بڑا حکمت والا ہے اور وہ اُمّ الکتاب میں ہے اور اُمّ الکتاب کیا ہے؟ تمام مفسرین اور شارحین کے مطابق اُمّ الکتاب سورۂ فاتحہ ہے اور اس بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے تفسیر صافی، ص ۵۴۴ بحوالہ معانی الاخبار منقول ہے کہ جس کا ذکر اُمّ الکتاب یعنی سورۂ فاتحہ میں ہے وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں کیونکہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول درج ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، اس میں صراطِ مستقیم سے مراد جناب امیر المومنین علی علیہ السلام اور اُن کی معرفت مراد ہے اور تفسیر قمی میں بھی اس کا یہی مطلب لکھا ہے۔

سورۂ مذکرہ کی آخری آیات میں فرمان ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعَابِدِيْنَ

"اے رسولؐ! کہہ دو کہ اگر خدائے رحمن کا کوئی بیٹا ہوتا (تو کیا مجھے پتہ نہ ہوتا کیونکہ) میں تو سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اول العابدین ہونے سے ایک بات واضح ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ہر چیز جو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمائی، اس آیت مجیدہ وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و عبادت کر رہی ہے اور جب خلق ہوئی تب سے اور جب تک رہے گی تب تک معروفِ عبادت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ میں سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق اول ہیں کیونکہ پہلا عبادت کرنے والا وہ ہی ہوسکتا ہے جو سب سے پہلے خلق ہوا ہو اور یہ بھی واضح ہے کہ خدا کا اگر کوئی بیٹا ہوتا تو ساری مخلوق سے پہلے ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس کی خبر ہوتی۔ اسی لیے تو آپؐ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو مجھے پتہ نہ ہوتا کیوں کہ میں پہلی مخلوق ہوں اور ہر چیز میرے سامنے ہی پیدا کی گئی۔ یہ سب سے

Presented by Ziaraat.com

بڑی آنکھوں دیکھی شہادت ہے کہ وہ لم یلد ولم یولد کے مصداق ہیں۔

سورۂ دخان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ

"حٰمٓ، قسم ہے واضح کتاب کی۔ یقیناً ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل کیا۔ بے شک ہم ڈرنے والے ہیں۔ اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے"۔

کتاب اپنے عنوان کے اندر اپنی وضاحت کو چھپائے ہوئے ہوتی ہے۔ جوں جوں ورق گردانی کی جاتی ہے اُس کے نفسِ مضمون اور حوالہ جات کی گہرائی تک رسائی ہوتی ہے اور فہم کے نئے نئے دریچے کھلتے ہیں تو دل یہ گواہی دیتا ہے کہ ہاں موضوع یا عنوان سے انصاف کیا گیا ہے اور یہی حق ہے۔

کتاب کا عنوان قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (فصیح قرآن) اور اُس کی ایسے سورۂ ہائے جن کا ذیلی عنوان حروف مقطعات 'الم، الر، المر، حم اور اسی طرح دیگر حروف مقطعات ہیں ان سورۂ ہائے میں بیان کردہ مضامین اپنے عنوان کی تشریح اور توضیح ہیں۔ اب یہ کہنا کہ ان کے کوئی معانی نہیں، عجب سا ہے کیوں کہ مضمون اپنے عنوان کی تفصیل اور عنوان اُس کا اجمال ہوتا ہے۔

یہ بھی ذکر ہے کہ ہم نے اسے مبارک رات میں نازل کیا اور رات کے مبارک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شب قدر اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات کو ہر امر کا اندازہ فرما دیتا ہے۔ جو کچھ اس سال میں ہونے والا ہو وہ حق ہو یا باطل اس میں اُس کے لیے اُس کی مشیت ہے کہ وہ اجل و رزق، درد و مصائب، اعراض و امراض سے جس جس کو چاہتا ہے مؤخر کر دیتا ہے جس جس میں چاہتا ہے کمی کر دیتا

Presented by Ziaraat.com

ہے اور ہر چیز مشیت سے مشروط ہوتی ہے۔

چونکہ سورہ کا نام 'الدخان' ہے اس لیے ایک آیت مجیدہ ہے:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ

"پس تو اُس دن کا انتظار کر جبکہ آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا"۔

تفسیر صافی، ص ۴۵۹ پر مرقوم ہے کہ قیامت کی شرطوں والی حدیث میں پہلی نشانیاں یہ ہیں: ① دھواں ② نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ③ ایک آگ جو عدنِ ابین کے قعر سے نکلے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف ہنکا کر لے جائے گی۔

لوگوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! دھواں کیا ہوگا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا: یہ دھواں مشرق سے مغرب تک چھا جائے گا اور چالیس دن تک ایک ہی حالت پر رہے گا۔ اس سے مومن کو تو اتنا ہی صدمہ پہنچے گا جیسے کہ زکام ہو جاتا ہے اور کافر کی حالت یہ ہوگی جیسے کوئی نشہ کا متوالا ہوتا ہے۔ اُس کے دونوں نتھنوں اور دونوں کانوں سے اور اس کی دُبر سے دھواں نکلتا رہے گا"۔

آگے چل کر ذکر ہے ایسی قوم تھی جس کے لیے بیش بہا نعمتیں تھیں۔ باغات چشمے، کھیتیاں اور باعزت مقام مگر وہ ناشکرے ہوئے اور ہم نے اُس کا وارث دوسری قوم کو بنا دیا اور اُن پر نہ آسمان روئے نہ زمین روئی:

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ

"پس اُن پر نہ تو آسمان اور زمین روئے اور نہ ہی اُن کو مہلت دی گئی"۔

تفسیر مجمع البیان اور المناقب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: آسمان اور زمین کسی اور پر نہیں روئے سوائے امام حسین علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام

Presented by Ziaraat.com

کے۔ کیونکہ اِن دونوں حضرات کو ایک ہی طرح سے ذبح کیا گیا تھا"۔

تفسیر صافی، ص ۴۶۰ پر حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے: آسمان اور زمین حضرت یحییٰ علیہ السلام پر روئے ہیں یا اب امام حسین علیہ السلام پر روئیں گے۔ سوائے ان کے اور کسی پر نہیں روئے۔ سورہ کی آخری آیت:

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ○ فَارْتَقِبْ إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ ○

"پس ہم نے اس قرآن کو تیری زبان سے آسان کیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں پھر تو انتظار کر یقیناً وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں"۔

آخری آیات کو سورہ کے عنوان سے جوڑا گیا ہے۔ فرمایا گیا کہ قرآن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے آسان کیا گیا تا کہ نصیحت پانے والے نصیحت پاسکیں اور قرآن کی تعلیمات کو سمجھ سکیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے سند جاری فرما دی کہ میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک ہی وہ واحد ذریعہ و وسیلہ ہے جس سے قرآن کو سمجھنے میں آسانی ہے اور جو بھی رسولؐ خدا سے ہٹ کر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرے گا، وہ نصیحت و ہدایت نہ پا سکے گا اور وہ انتظار کرنے والوں میں ہو گا اور دھوئیں کے مشرق سے مغرب تک پھیلنے کے بعد کی صورت حال سے دو چار ہو گا۔

پارہ ۲۵ سورۂ جاثیہ:

حٰمٓ ○ تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ○ إِنَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ○ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِن دَابَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ○

"حٰمٓ، اس کتاب کا اُتارنا زبردست بڑے حکمت والے

Presented by Ziaraat.com

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یقیناً آسمانوں اور زمین میں
مومنوں کے لیے البتہ بہت نشانیاں ہیں اور تمھاری پیدائش میں
اور جن جانداروں کو اس نے پھیلا دیا ہے ضرور لوگوں کے لیے
تعریفیں کرتے ہیں بہت نشانیاں ہیں"۔

غور کیجیے کہ حم اور کتاب میں کتنا گہرا تعلق ہے زبردست حکمت والے نے سب کچھ اس میں پوشیدہ بھی رکھا ہے اور عیاں بھی۔ جو یقین رکھتے ہیں وہ محکم نشانیوں کی مدد سے اُسے سمجھتے ہیں اور وہ ہی مومن بنتے ہیں۔ اسی آیت پاک میں انسانی پیدائش کے حوالے سے اور دیگر جانداروں کے حوالے سے ان آیات (نشانیوں) کا تذکرہ ہے جو حقیقتوں کے ادراک کے لیے ضروری بھی ہے اور کافی بھی۔

درحقیقت حم ہی وہ کتاب ہے یا یہ کہا جائے کہ یہ کتاب حم کے عنوان سے بیان کرتی ہے تو بات دونوں طرح سے ایک ہی ہے۔ حروف مقطعات سے شروع کرنے سے قطعاً یہ مراد نہیں کہ آئندہ مضمون کی تیاری مطلوب ہو بلکہ اس سارے سلسلہ کا تعلق تو صرف ارادہ سے ہے معاملہ کُن فَیَکُونَ میں محیط ہے۔ کتاب پر ایمان لانے کے بعد اس پر عمل از بس ضروری ہے اور عمل کی بنیاد پر ہی فیصلہ موقوف ہے اسی سورہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا الْيَوْمَ
تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○ هَٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ
بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○

"اور تو ہر اُمت کو زانو پر گرنے والی دیکھے گا۔ ہر اُمت اپنے
نوشتے کی طرف بلائی جائے گی۔ تم اس عمل کی جزا دیئے جاؤ
گے جو تم کیا کرتے تھے۔ یہ ہمارا نوشتہ تمھارے برخلاف حق

Presented by Ziaraat.com

کے ساتھ بولتا ہے۔ یقیناً ہم لکھواتے جاتے تھے۔ جو کچھ عمل تم کیا کرتے تھے"۔

کتاب کے لغوی معنی ہیں تحریری لکھی ہوئی بات، نوشتہ۔ قرآن حکیم میں بار بار پختہ استدلال کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور مختلف عنوانات اور موضوعات کے ذریعے کتاب میں اس کی تفصیل بتا دی ہے کہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کا ذکر اس میں موجود نہ ہو۔ ہر چیز لوح پر درج ہے۔ روز اختتام بھی نامۂ اعمال کے ساتھ حشر و نشر ہونا ہے۔ سزا اور جزا کا تعین بھی نوشتہ کے مطابق ہوگا۔ بات تحریر (جو کچھ لکھ دیا گیا) سے شروع ہو کر ساری منازل طے کرتی ہوئی تحریر (نوشتۂ فرشتہ) یعنی نامۂ اعمال پر منتج ہوئی۔ سب کچھ مشیت ایزدی پر منحصر ہے، جس نے ہمیں کتاب عطا فرمائی اور اُس میں حروف مقطعات کا گراں بہا خزانہ رکھ دیا گیا اور اُس کو سمجھنے کے لیے اَعْلَمْ ہستی مبعوث فرمائی اور اس کی زبان سے قرآن کو آسان کیا مگر یہ سب اُن کے لیے جو اس پر یقین رکھتے ہیں۔

پارہ ۲۶ سورۂ احقاف:

حٰمٓ ○ تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ○ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا اُنْذِرُوا مُعْرِضُونَ ○

"حٰمٓ، اس کتاب کا اُتارنا اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے کی طرف سے ہے ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ ایک مقررہ مدت کے لیے اور جو لوگ کافر ہو گئے وہ ان چیزوں سے مُنہ پھیرنے والے ہیں۔ جن سے اُن کو ڈرایا گیا"۔

Presented by Ziaraat.com

سورۂ اَحقاف حٰمٓ سے شروع ہونے والے تمام سورہ ہائے کی قبیل کا آخری اور ساتواں سورہ ہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عنت کے مطابق حم سے عنوان کیا ہے اور کتاب سے گرہ بند کر دیا گیا ہے اور بغیر کسی استثنا کے یہ سوال کیا ہے کہ: کیا ہم نے حق کے ساتھ آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے کو پیدا نہیں کیا۔ اور وہ بھی ایک مدت (وقتِ معلوم) جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کے لیے"۔ اور پھر فرمایا: اے رسولؐ! ان کافروں سے پوچھو کہ جس کی تم پوجا کرتے ہو اُن میں سے کوئی ہے جس نے آسمان، زمین یا جو کچھ اور پیدا کیا ہے یا پیدا کرنے میں شریک ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اس سے قبل کی کوئی کتاب یا نبیہ یا کوئی نشانی لے آؤ"۔

مزید ارشاد ہے:

وَمِنْ قَبْلِهِ كِتٰبُ مُوْسٰى اِمَامًا وَّرَحْمَةً وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

"اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب رہنما اور رحمت تھی اور یہ کتاب (قرآن) تصدیق کرنے والی فصیح زبان میں ہے تاکہ اُن لوگوں کو ڈرائے جنھوں نے ظلم کیا اور بشارت ہو نیکی کرنے والوں کے لیے۔ یقیناً وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ قائم رہے یہاں اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم کھائیں گے۔ وہی جنت والے ہیں اور وہ ہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہ بدلہ اُس امر کا ہے جو وہ کیا کرتے تھے"۔

Presented by Ziaraat.com

سورہ کے آخری حصّہ میں ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ

"پس تو صبر کر کہ جس طرح کہ رسولوں میں سے اُولوالعزم نے صبر کیا"۔

'کافی' میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں اُولوالعزم سے مراد نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ وہ کیسے؟

آپؑ نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت پر اُس وقت تک عمل ہوتا رہا جب تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کا نزول ہوا، اور پچھلی شریعت منسوخ ہو گئی اسی طرح زبور، تورات، انجیل اور حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں پر عمل متروک ہوا کیونکہ آخری کتاب قرآنِ مجید کا نزول ہوا اور اب اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کی کتاب اور لائی ہوئی شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم آ گیا۔ آپؐ نے جس چیز کو حلال قرار دیا وہ قیامت تک حلال ہے اور جس چیز کو حرام قرار دیا، وہ قیامت تک حرام ہے۔ اور اس کے لیے کتاب (قرآن) اور اہلِ بیتؑ کی پیروی کو معیار اور ذریعۂ نجات قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لیے تمام تعلیمات اور پیغامات اپنے انبیاء و مرسلین کے ذریعے کتابوں اور صحیفوں کی صورت میں نازل فرمائے اور ساتھ ہی فرما دیا کہ میرا فرمانبردار بندہ تو وہ ہے جو میرے رسول کی اور میری اطاعت کرے"۔

چونکہ قرآنِ حکیم کے نزول کے بعد تمام سابقہ کُتب اور شریعتیں منسوخ ہو گئی ہیں اور اُن تمام کُتب کا خلاصہ اس میں شامل کر دیا گیا ہے، اب یہی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجودِ کائنات کی بقا تک حتمی اور آخری آئین اور نظام ہے جو ہمیشہ جاری و ساری رہے گا۔

Presented by Ziaraat.com

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے قرآن کو مبارک رات میں اپنے بندے کے دل میں اُتارا (نازل کیا) اب ضروری ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ قرآنِ حکیم کا ماخذ کیا ہے اور کہاں سے قلبِ رسولؐ پر اُتارا گیا۔ کوئی چیز اگر کسی بلندی سے اُتاری جائے اور نیچے لاکر رکھ دی جائے تو نیچے دکھائی دیتی ہے جب کہ جہاں سے اُتاری گئی تھی وہ جگہ خالی ہوجاتی ہے لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ قرآنِ حکیم جہاں سے نازل ہوا وہاں بھی محفوظ ہے اور جہاں نازل ہوا وہاں بھی محفوظ ہے۔ پہلی صورت میں لوحِ محفوظ کی شکل میں اور دوسری صورت میں کتاب (قرآن) کی صورت میں موجود ہے ۔

عرش و فرش کو جوڑا ہے کئی جہتوں سے
مدینہ ہو کعبہ ہو یا سدرۃ المنتہٰی عاشق

پارہ ۱۹ سورۂ نمل میں ارشاد ہے "یہ قرآن اور کتاب مبین کی آیتیں ہیں"۔
یہ بات تاکیدی طور پر بیان کی گئی ہے کہ یہ قرآن کی آیات ہیں اور کتاب مبین کی آیات ہیں یعنی کتاب مبین سے ہی قرآن ماخوذ ہے۔ اسی طرح پارہ ۲۵ سورۂ زخرف میں ہے:

حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ

"قسم ہے کتاب مبین کی کہ ہم نے قرآن کو فصیح کلام بنایا تاکہ تم سمجھ لو اور یقیناً وہ اُمّ الکتاب میں ہمارے نزدیک بلند شان، بڑا حکمت والا ہے"۔

اس آیت پاک میں قرآن کتاب مبین اور اُمّ الکتاب کا ذکر ہے۔ قرآن کو فصیح کلام بتایا۔ کتاب مبین سے اور یہ قرآن اُمّ الکتاب میں اللہ تعالیٰ کے

Presented by Ziaraat.com

نزدیک بلند شان اور حکمت والا ہے۔ گویا یہ کتنا زیادہ بر مقام برمحل ہے کہ قرآنِ حکیم کے مندرجات کتاب مبین اور اُمّ الکتاب سے ہیں۔ اُمّ الکتاب یعنی کتابوں کی ماں۔ غرضیکہ تورات، زبور، انجیل اور قرآنِ پاک اور انبیاء و مرسلین کے تمام صحیفوں نے اُمّ الکتاب سے جنم لیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کتاب مبین اور اُمّ الکتاب کیا ہیں اور کہاں ہیں؟

پارہ ۲۷، سورۂ واقعہ میں ارشاد رب العزت ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ

”یقیناً وہ عزت والا قرآن ہے، جو پوشیدہ کتاب میں ہے،
اسے کوئی چھوتا نہیں سوائے اُن کے جو پاک کر دیے گئے ہیں۔
اس کا اُتارا جانا تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے“۔

یہ بات قابل غور و فکر ہے کہ قرآن عزت والا قرآن ہے اور کتاب مکنون (پوشیدہ کتاب) میں ہے۔ اب اس باب میں ایک اور اضافہ ہو گیا کہ یہ قرآنِ حکیم کتاب مبین کی آیتیں ہیں۔ یہ قرآن اُمّ الکتاب میں ہے اور یہ قرآن پوشیدہ کتاب (کتاب مکنون) میں ہے۔

قرآنِ حکیم میں ارشاد خداوندی ہے: ہر وہ شے جو چشمِ بشر دیکھ سکتی ہے اور جسے اُس کی آنکھ دیکھنے اور محسوس کرنے سے قاصر ہے، اَزل سے لے کر اَبد تک اور مابعد اور کتاب مکنون میں تحریر ہے اور یہی لوح محفوظ ہے اور سب کچھ اس پر تحریر ہے اور یہی اللہ کا ارادہ ہے“۔ پس کیسے ممکن ہے کہ یہ کتاب تو ہو مگر اس کو سمجھنے اور سمجھانے والا کوئی نہ ہو۔ یقیناً وہ تو وہی لوگ ہیں جنھیں رب کریم نے پاک کر دیا:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ

Presented by Ziaraat.com

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

پس اللہ تعالیٰ اس خزانہ کو نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کے سپرد فرمایا اور نبی مکرم نے اس کے ورثا کو نامزد کیا۔ قرآن حکیم کے مطابق:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا

"پھر ہم نے کتاب کا وارث اُن لوگوں کو بنایا جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں چُن لیا (مصطفیٰ کیا)"۔

تفسیر صافی، ص ۴۱۹ بحوالہ البصائر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ پوری آیت اولاد علی و فاطمہؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کافی میں بھی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے اور احتجاج طبری میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مصطفیٰ بندے ہم اہلِ بیت (آئمہ معصومین) ہیں اور اس آیت میں ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ سے مراد وہ شخص ہے جو معرفت امام سے بے بہرہ ہے اور حق ناشناس ہے اور سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللهِ سے مراد خود امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ہیں اور اُن کے بعد آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔

حدیث نبویؐ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم میں بس میں ہی اعلم ہوں اور میرے بعد اس کا کتاب میں سب سے بڑا اعلم میرا بھائی علیؑ ہے اور اُن کے بعد اُن کے گیارہ بیٹے کائنات میں سب سے اعلم ہیں اور وہی اس کتاب کے وارث ہیں۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپؑ کی سب سے بڑی فضیلت کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: بروئے قرآن عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ اور یہی فرمانِ محمد مصطفیٰ ﷺ کا باب مدینۃ العلم نبیؐ کے بارے میں ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے کسی شخص نے پوچھا کہ یا علیؑ! آپؑ اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستی ہیں۔ کیا اس دُنیا میں آپؑ کی کوئی حسرت ہے؟

Presented by Ziaraat.com

آپؑ نے فرمایا: ہاں دو حسرتیں ہیں: ایک یہ کہ جتنا بڑا سخی اللہ تعالیٰ نے مجھے بنایا، اتنا کسی نے مجھ سے مانگا نہیں اور دوسری یہ حسرت ہے کہ جتنا علم اللہ تعالیٰ نے بوساطت محمد مصطفیٰ ﷺ مجھے عطا کیا اس کے مطابق مجھ سے کسی نے سوال نہیں پوچھا۔ میں علم لدنی کا حامل اعلان کرتا رہا: سَلُونِي، سَلُونِي اور لوگ مجھ سے کیڑوں مکوڑوں اور پرندوں کے حلال وحرام کے متعلق پوچھتے رہے، اور یہ نہ سمجھے کہ میں نبی ﷺ کے علم کا وارث ہوں۔ میرے سینے میں کتاب کا علم ہے۔ اُس کتاب کا علم جس کے اندر ہر شئے کا ذکر ہے اور کوئی ایسی شئے نہیں جس کا ذکر نہ ہو"۔

ذرا سوچئے اور تدبر سے کام لیجیے کہ ہر شئے کا ذکر کتاب میں ہے اُس شئے کی کوئی بھی نوع ہو دیکھی جا سکے یا نہ دیکھی جا سکے وہ کتاب کے اندر ہے۔ کتاب مبین کے اندر ہے۔ اور فرمانِ رب کریم ہے: كُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ إِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ یہاں بھی کوئی تخصیص نہیں بلکہ كُلَّ شَيْءٍ کہا ہے کہ ہم نے ہر شئے کو امام مبین میں (حصین) جمع کر رکھا ہے۔

تفسیر صافی، ص ۴۲۱، بحوالہ تفسیر قمی بحوالہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم وہ امام مبین میں ہوں، میں حق و باطل کو صاف صاف بیان کر دیتا ہوں اور میں نے یہ عہدہ رسالت مآب حضرت محمد ﷺ سے ورانتاً پایا ہے"۔

احتجاج طبری میں جناب رسول خدا ﷺ سے ایک حدیث منقول ہے آپؐ نے فرمایا: "اے گروہ انسان! کوئی علم ایسا نہیں ہے جو میرے خدا نے مجھے تعلیم نہ فرمایا ہو اور میں نے علیؑ کو نہ سکھا دیا ہو اور جو علم بھی مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھایا، یا اللہ تعالیٰ نے مجھ میں اس کا احصا فرما دیا اور میں نے امام المتقین یعنی جناب علیؑ میں اُس کا احصا کر دیا"۔

Presented by Ziaraat.com

تفسیر برہان، ص ۸۸۶ پر ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے پدر بزرگوار اور جدِ بزرگوار کے حوالے سے بتایا ہے کہ جب آیت کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ نازل ہوئی تو جناب ابو بکرؓ اور جناب عمرؓ نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: کیا امام مبین تورات ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں پھر انھوں نے عرض کیا: کیا امام مبین قرآن ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: امام مبین یہ ہیں۔ خداوندِ عالم نے جن کی ذات میں کُلَّ شَیْءٍ کا علم احاطہ کیا ہے اور یہی کچھ (حقائق الوسائط صفحہ ۱۲۷) پر منقول ہے۔

اب حقیقت کو سمجھنے کے لیے ایک واضح دلیل سامنے آئی ہے کہ کتاب مبین اُمّ الکتاب اور کتاب مکنون اور لوحِ محفوظ سے ہی ایک عمدہ ترین کتاب تشکیل پائی اور اُس کو قرآن کا نام دیا گیا۔ قرآن اہلِ زمین کے لیے ایک کتاب کی صورت میں دیکھی جانے والی بابرکت کتاب ہے اور لوحِ محفوظ اور کتاب مکنون بصارت میں نہیں آسکتی۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رَبِّ زِدْنِي کہہ کر اُس کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی جو کسی شئے کی مثل نہیں اور نہ وہ دیکھی جاسکتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے لَن تَرَانِي کہہ کر حتمی بات فرمائی کہ "تو نہیں دیکھ سکتا اور یہ ہرگز ممکن نہیں"۔ خواہش کے اصرار پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اَمر کو ایک شعلے کی لپک میں تبدیل کر کے ظاہر کیا مگر موسیٰ علیہ السلام اُس کی تاب بھی نہ لاسکے حالانکہ وہ کلیم اللہ کے منصب پر فائز تھے۔ کوہِ طور کا واقعہ جمیع انسانوں کے لیے آج تک ایک معمہ ہے اور یہی وہ انداز ہے کہ بمصداق کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ لوحِ محفوظ اور امام مبین میں مماثل ہے۔ کتنی خوب صورت بات ہوگی اگر ہم یہ سمجھ پائیں کہ ہر شئے امام مبین میں احصا ہے اور حروفِ مقطعات سماعت و بصارت میں آنے والے حروف بھی شئے

Presented by Ziaraat.com

کے زمرے میں آتے ہیں تو کیوں نہ ہم اُس سے رجوع کریں جو ہر شے کو احصا کیے ہوئے ہے اور وہ امام مبین ہے جو ہمیں حروف مقطعات کی حقیقت کی معرفت دے سکتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب ارادہ کیا کہ پہچانا جائے تو اس نے اپنے ارادے کی تکمیل کے لئے ایک ایسی ہستی کو خلق فرمایا جو بیک وقت اُسے محبوب بھی ہو اور حبیب بھی ہو، تب اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ کر دیا جو وہ کرنا چاہتا ہے اور اس سب کچھ کو لوح پر محفوظ کر دیا اور اُسے لوح محفوظ کا نام دیا اور پھر پوری کی پوری تحریر کتاب مبین اور امام مبین میں جمع کر دی اور اُسے الم کا نام دیا۔ معرفت کی اس حقیقت میں الف سے مراد اللہ تعالیٰ اور لام سے مراد لوح محفوظ (محبوب و حبیب کی محبت میں تحریر دستاویز) اور میم سے مراد اللہ تعالیٰ کے محبوب و حبیب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور جو کچھ لوح محفوظ میں ہے وہ امام مبین میں ہے اور یہ فرمان نبی امام مبین حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ الف سے اللہ، ل سے لوح محفوظ (علی) اور میم سے محمدؐ ہیں۔

اس عقدہ کشائی کے بعد اب دیگر مقطعات کی حقیقت جاننے کے لیے بوسیلہ امام مبین اور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتے ہیں کہ ہماری رہنمائی فرمائے۔ الف لام میم کے بعد ایسے سورہ ہائے جو الر کی ذیل میں آتے ہیں، اُن کے متعلق پچھلے صفحات میں تفصیلی بیان کیا جا چکا ہے۔ تاہم الف لام را کی ہیئت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک اجمالی جائزہ لیا جائے اور ممکن حد تک اپنی منزل اور مقصد تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

الف لام میم اور الف لام را میں الف لام مشترک ہے اور میم اور را الگ ہیں۔ میم کی بحث الف لام میم میں ہو چکی ہے اس لیے اب را کی لغوی حقیقت اور جزئیت سے کلیت تک جاننے کے لیے ہمیں قرآن حکیم سے رجوع کرنا ہوگا۔

Presented by Ziaraat.com

آیئے دیکھتے ہیں پارہ ۷ سورۂ انعام آیت ۷۷: فَلَمَّا رَاَی الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ "جب وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگے: غروب ہو جانے والی چیز کو تو میں (خدا بنانا) پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند کو جگمگاتے ہوئے دیکھا"۔

پارہ ۱۹ سورۂ فرقان، آیت ۴۱، وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا "(اے رسولؐ!) یہ لوگ تمہیں جب دیکھتے ہیں تو تم سے مسخرا پن ہی کرنے لگتے ہیں"۔

پارہ ۲۸، سورۂ جمعہ، آیت ۱۱ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا "(اور ان کی حالت تو یہ ہے) جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھیں تو اس کی طرف ٹوٹ پڑیں اور تم کو کھڑا ہوا چھوڑ دیں"۔

پارہ ۲۸، سورۂ منافقون: وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ "اور جب تم ان کو دیکھو گے تو (تناسب) اعضاء کی وجہ ان کا قدوقامت تمہیں بہت اچھا معلوم ہوگا"۔

پارہ ۲۹، سورۂ قلم، آیت ۲۶: فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ "اور پھر جب اسے (جلا ہوا) دیکھا تو کہنے لگے: ہم لوگ تو بھٹک گئے"۔

مندرجہ بالا تمام آیات میں "رَ" کو الگ سے لکھا گیا ہے اور اس کے اوپر زبر کی علامت دی گئی (رَ) ہے اور اس طرح تمام مذکرہ بالا آیات میں "رَ" بمعنی دیکھنے کے آیا ہے۔

اسی طرح پارہ ۹، سورۂ اعراف آیت ۱۴۳:

قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ

پارہ ۱۲، سورۂ ہود، آیت ۲۹:

اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ

Presented by Ziaraat.com

پارہ ۱۰، سورۂ توبہ، آیت ۴۰:

وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا

پارہ ۲۹ المعارج آیت ۶:

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا

پارہ ۱۹ سورۂ نمل آیت ۲۰:

فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ

ان تمام آیات میں "ر" سے پہلے اور بعد میں حروف لگائے گئے ہیں جن سے مستقبل یا حال کا پتہ چلتا ہے جبکہ "ر" معنی دیکھنے کے لیے آیا ہے لہٰذا پیچھے اخذ کیے گئے نتیجے کی صورت میں الف لام میم کا ایک واضح مفہوم ہے اور اب رہا "ر" تو اس کا مطلب ہے دیکھنا کہ جو کچھ لوح محفوظ میں ہے اُسے دیکھنا اور اُس کو صرف وہی دیکھ سکتا ہے جو اُس مقام و مرتبہ کا حامل ہو۔ پس "ر" بمراد کائنات کے اندر موجود اشیاء منجملہ اور بالخصوص مظاہر فطرت و قدرت کا مطالعہ ہے اور اس کا ادراک امام مبین کی وساطت سے ہی ممکن ہے۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ

"اے حبیب! اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو کائنات پیدا نہ کرتا"۔

میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے ایک شاہکار مخلوق کو پیدا کیا اور اس غرض کے لیے بفرمانِ رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ

"سب سے پہلے اللہ رب العزت نے میرے نور کو پیدا فرمایا"۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو تخلیق کیا پھر کائنات کو خلق کیا اور کائنات اپنے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحفہ کر دی اور یوں

Presented by Ziaraat.com

حبیبِ خدا کو ایک خاص وقت میں مبعوث کرنے کے لیے ایک نظام الاوقات وضع کیا۔ نباتات، جمادات اور حیوانات کو پیدا کیا۔ بنی نوع انسان کو ذی شعور مخلوق کے طور پر اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز کیا اور ہر چیز پر اس کو تصرف کا حق عطا کیا۔ اور صرف اور صرف انسان پر عبادت کی شرط عائد کی کہ صرف اسے ہی (اللہ تعالیٰ) معبود مانا جائے اور اسی شرط کا اطلاق جنات پر بھی ہوا۔ کائنات تحفۂ خداوندی ہے۔ آپؐ کے لیے اور آپؐ کی ذات بابرکات اس کائنات کے لیے ایک تحفہ ہے کہ کائنات کے اندر کے معاملات کو حکمِ الٰہی سے چلائے اور سلجھائے اور جو روح (امر) آپؐ کے لیے اُتاری گئی اور آپؐ کے بعد ائمہ معصومین علیہم السلام میں موجود رہی اور واپس نہیں گئی۔ اس روح کا موجود ہونا اب امام زمانہؑ سے عبارت ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ روح ہو اور صاحبِ روح نہ ہو۔ اور یہ سلسلہ امیر المومنین علی علیہ السلام سے لے کر اُن کے بارھویں جانشین امام منتظر قائم آلِ محمدؐ تک پہنچا ہے۔ اس لیے اب ہر دور میں جہاں بھی کہیں اُلجھن ہی اس کے حل کے لیے معصومینؑ کی ذات کام آئی۔ معصومینؑ کے فرمودات کے مطابق تمام حروفِ مقطعات در حقیقت اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک ہیں اسمائے اعظم ہیں اور اپنے معانی و مطالب میں سمندر کی سی وسعت رکھتے ہیں۔

الف لام میم اور الف لام را کو اگر ملایا جائے تو ان مقطعات سے ایک نیا مرکب وجود پاتا ہے۔ الر الف سے اللہ تعالیٰ لام سے لوحِ محفوظ امام مبین، میم سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور "ر" سے دیکھی اور نہ دیکھی جانے والی ہر شے یعنی کائنات پس اللہ کی مرضی کے مطابق کائنات کی اشیا کو اپنے مصرف میں لاؤ اور اس کے اندر رہتے ہوئے تدبر سے کام لو اور اس کی معنوی افادیت سے بہرہ مند ہو اور اللہ تعالیٰ کی حمد بجا لاتے رہو۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس علم کے حامل سے تعلق قائم رہے۔

Presented by Ziaraat.com

پارہ ۲۹ سورۂ قلم:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ

"نٓ، قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں"۔

تفسیر صافی ص ۵۰۷ پر بحوالہ معانی الاخبار بروایت سفیان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "ن" جنت میں ایک نہر ہے۔ اللہ تعالٰی نے اُسے حکم دیا کہ جم جا پس وہ جم گئی اور روشنائی بن گئی پھر اللہ تعالٰی نے قلم کو حکم دیا کہ لکھ۔ پس جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے قلم نے لوح محفوظ میں لکھ دیا پس وہ روشنائی نور کی روشنائی ہے اور قلم بھی نور کا اور لوح محفوظ بھی نور ہی کی ہے اور لوح محفوظ امام مبین میں احصا ہے۔

تفسیر قمی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مادیات میں سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے قلم کو پیدا کیا پھر حکم دیا کہ لکھ۔ قلم نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! کیا لکھوں؟ اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب لکھ ڈال چنانچہ قلم نے لکھ دیا۔

سینۂ قرطاس پہ سب کچھ لکھ کر
شاداں و حیراں قلم آج تلک ہے

Presented by Ziaraat.com

نواں باب

حٰمٓ السجدہ

سورۂ حم سجدہ، پارہ ۲۴ میں ارشاد ہے:

حم تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ

''حم، کا اُتارنا نہایت مہربان بہت رحم کرنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس کتاب کی آیتیں جدا جدا کی گئی ہیں اُن لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔ یہ قرآن فصیح اور صاف کلام ہے''۔

حٰمٓ سے شروع اس سورہ میں اس اضافے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس کتاب کا اُتارا جانا اس دنیا کی زندگی کے لیے مہربانی کرنے اور آخر میں اپنے بندوں پر رحم فرماتے ہوئے اُن کی مغفرت کرنے والے کی طرف سے ہے جس نے کتاب کی آیتوں کو الگ الگ کر کے تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور بالخصوص عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ کے تحت اس کی فصاحت پر مُہر لگا دی ہے۔ عربی کے معنی ہیں 'المفصح' یعنی وہ شخص جو صفائی اور وضاحت کے ساتھ اظہار مدعا کر سکے اور لغات القرآن نعمانی کے مطابق: الفصيح البين مِنَ الكَلَام ''یعنی وہ کلام جو فصیح اور صاف ہو''۔ اسی طرح قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا۔ بلسان عربی مبین ۔ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا سے بھی مراد ہے۔

در اصل اس نکتہ کو سمجھنا کہ حروف مقطعات سے شروع کیے گئے تمام سورہ

Presented by Ziaraat.com

میں ایک واضح تعلق ہے کبھی حروفِ مقطعات کو کتاب اور کبھی کتاب اور قرآن دونوں سے جوڑا گیا ہے۔ یوں یہ بات فہمِ انسان میں آتی ہے کہ حقیقت وہ ہی ہے جس کی معرفت اور علم ہی سے متن کو سمجھا جا سکتا ہے۔

حمٰ کرہ سورہ میں ارشادِ رب کریم ہے:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ

"اے رسولؐ! کہہ دو ما سوا اس کے ہرگز نہیں کہ میں تمھاری مثل ایک بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ یقیناً تمھارا معبود واحد معبود ہے۔ پس تم اسی کی طرف سیدھا اختیار کیے رہو اور اُسی سے بخشش چاہو اور مشرکوں کے لیے افسوس ہے"۔

آیت پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ کہہ دو کہ میں تمھاری طرح ایک بشر ہوں۔ اس کے پسِ منظر میں دورانِ دعوت و تبلیغ کچھ ایسے معاملات پیش آئے اور ایسے واقعات وقوع پذیر ہوئے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر کہا یا انتہائی صورت اختیار کرتے ہوئے اپنے دوسرے معبودوں کی مانند معبود جاننے کے شک میں مبتلا ہونے لگے۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ معبود تو وہ واحد معبود یعنی اللہ ہے اور میں تو تمھاری طرح ایک بشر ہوں۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سے مسلمانوں میں ایک بحث نے جنم لیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں یا بشر تو اس سلسلہ میں صرف اتنی گزارش ہے کہ جب حضرت مریمؑ کے پاس جبرائیل مثلِ بشر بن کر آئے (فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا) سورۂ مریم پارہ ۱۹ تو یہ کہا جاتا ہے بشر نہ تھا فرشتہ تھا چونکہ فرشتے نوری مخلوق ہیں اس لیے یہ پڑھا اور سمجھا جاتا ہے کہ وہ بشر نہیں نور تھا۔ کسی نوری فرشتے کا بشر کی شکل

Presented by Ziaraat.com

اختیار کر کے آنے کے باوجود فرشتہ نوری ہی رہتا ہے بشر نہیں بنتا۔ اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے انسانی شکلوں میں آئے اور اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے ہدف کی تکمیل کے لیے عمل انجام دیا اور واپس چلے گئے۔

کیا مندرجہ بالا حقیقت یہ جاننے اور ماننے کے لیے کافی نہیں کہ مثل سے مراد بعینہٖ وہ نہیں بلکہ اس کی مثل ہی ہوتی ہے۔ فرشتے مثلِ بشر تھے مگر حقیقتاً وہ نور تھے۔ بالکل اسی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچانے کے لیے مثلِ بشر بھیجے گئے۔ اس پر آیت قرآنی:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (پارہ ۶ سورۂ مائدہ) اس لیے کہ نور دیکھا نہیں جا سکتا اور جسم دیکھا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نور کو جسم عطا کر کے اس لیے بھیجا تا کہ دیکھا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت حق کے لیے جسم بھی عطا کیا مگر بدن (جسم) کا سایہ نہ تھا اور اسی کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام بشری مخلوق سے ممیز فرما دیا۔

سورۂ حم السجدہ کے دیگر احکامات اور تبلیغ کے ساتھ ساتھ یہ فرمایا گیا کہ اللہ کی نشانیوں میں رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں تم ان کو سجدہ کیوں کرتے ہو۔ اُن کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انھیں پیدا کیا۔ اور سورہ کے آخر میں ارشاد ہے:

اَلَاۤ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ

"خبردار رہو کہ یقیناً اپنے پروردگار کی ملاقات (اللہ کے حضور کھڑے ہو کر جواب دینے) سے شک میں پڑے ہوئے ہیں خبردار رہو کہ یقیناً وہ ہر چیز پر احاطہ کرنے والا ہے"۔

Presented by Ziaraat.com

دسواں باب

حٰمٓ عٓسٓقٓ

سورہ شوریٰ میں ارشاد ہے:

حٰمٓ عٓسٓقٓ ○ کَذٰلِکَ یُوحِیٓ اِلَیۡکَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ

"حٰمٓ عٓسٓقٓ اسی طرح تمھاری طرف وحی کرتا ہے اور اُن لوگوں کی طرف بھی کرتا رہا جو تجھ سے پہلے تھے زبردست اور حکمت والا اللہ تعالیٰ"۔

اس میں حروف مقطعات کے دو الگ الگ مرکبات اور دو آیات کی صورت میں ارشاد ہوئے اور دونوں مرکب، پانچ حروف پر مشتمل ہیں۔ تفسیر صافی، ص ۴۵۰ پر منقول ہے کہ یہ حروف حم عسق اللہ تعالیٰ کے نام اعظم کے حروف مقطعات میں سے ہیں اور اِن حروف کے ملانے کا اختیار رسولوں یا آئمہ کے پاس ہے جو اپنے رب کے حکم سے اُن کو ترتیب دے کر اسم اعظم کی صورت دیتے ہیں۔

یہاں بھی حروف مقطعات کو وحی، اور وحی کو مقطعات سے جوڑ دیا گیا ہے۔ بات قرآن کی ہو، کتاب کی ہو یا بات وحی کی ہو سب کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں سے ہے اور رسولوں کے بعد اُن کے اوصیاء سے ہے۔ بہر حال قرآن مجید میں سینکڑوں مرتبہ نماز قائم کرنے کا حکم ہے لیکن اس سورہ میں دین کو قائم کرنے کا حکم دیا گیا:

Presented by Ziaraat.com

اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ

"کہ تم دین کو قائم رکھو اور متفرق نہ ہو"۔

تفسیر صافی، ص ۴۵۰، بحوالہ تفسیر قمی لکھا ہے کہ اس سے مراد خداوند کی توحید اور نماز ہمیشہ قائم کرنا۔ زکوٰۃ دینا، روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور تمام سنن اور احکام کا بجالانا، جو کتاب خدا میں آچکے ہیں اور جناب امیر المومنینؑ کی ولایت کا اقرار کرنا۔ المختصر رسولؐ خدا کے ہر فرمان کو بلا چوں و چرا ماننا اور اُس پر عمل کرنا۔ اس سے انحراف کی صورت میں دین قائم نہیں ہوتا۔ کیونکہ قرآن پاک میں کئی مرتبہ اس کی ذیل میں ارشاد ہے، (وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ) اسی سے دین کو مشروط کر دیا گیا ہے۔ مکمل اطاعت کے بغیر تسلیم و رضا کا معاملہ نامکمل رہتا ہے۔

سورۂ شوریٰ کا حاصل کلام قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى نے دین کی معنویت کو وضاحت اور جلا بخشی۔ مگر پھر بھی نہ جانے کیوں اس کی نوعیت کو ایک معمہ بنا دیا گیا۔ سورہ مذکورہ کے آخر میں ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ
مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ
مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اَلَا اِلَى
اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ○

"اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے ایک روح وحی کی۔ تو نہیں جان سکتا تھا کتاب کیا چیز ہے اور نہ ہی ایمان۔ لیکن ہم نے اُسے نور قرار دیا۔ اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور یقیناً تو البتہ

Presented by Ziaraat.com

سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ راستہ اللہ تعالیٰ
کا،جس کے لیے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔
خبردار رہو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام امور لوٹیں گے"۔

سورہ کے شروع میں وحی کا ذکر ہے اور آخری آیات میں بھی وحی کا ذکر ہے اور وحی کیا ہے کہ کتاب اور ایمان کو سمجھا جائے اور اس کی ہدایت کی جائے۔ ہدایت سیدھے راستے کی طرف۔ گویا صاحبِ وحی، صاحبِ کتاب اور صاحبِ ایمان کے بغیر یہ سب ناممکن ہے۔

تفسیر صافی، ص ۴۵۴ بحوالہ کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے روح ایسی مخلوق ہے جو عظمت میں جبرئیلؑ اور میکائیلؑ سے زیادہ ہے اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ رہی اور آپؐ کو خبر پہنچاتی رہی اور صلاح دیتی رہی اور اُن کے بعد اُن کے علم کے وارثان (ائمہ معصومینؑ) کے ساتھ رہی اور منتظر موعود اور مابعد موجود رہے گی۔

ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جس وقت سے وہ روح آنحضرتؐ پر نازل فرمائی وہ پلٹ کر نہیں گئی اور وہ ہم میں موجود ہے۔ تمام انبیائے کرام تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کے طریقہ خواب والہام یا جبرائیل امین معروف اور معتبر ذریعہ تھا۔ چونکہ رسولؐ خدا کے بعد سلسلہ انبیاء تمام ہونے کو تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے امر سے ایک روح وحی کر دی جو بعد از رسولؐ، آئمہ معصومین علیہم السلام کے ذریعے موجود ہے۔ وہ نور ہے اُسی نور کی مدد سے کتاب اور ایمان کا ادراک ممکن ہے ۔

ظرف پاکیزہ ہو تو ہو ادراک نصیب
وگرنہ رُوح کیا امر کیا کوئی کیا جانے

Presented by Ziaraat.com

گیارہواں باب

صٓ

سورۂ صٓ، پارہ ۲۳:

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ○

"صٓ، قسم ہے قرآن نصیحت کرنے والے کی"۔

تفسیر صافی، ص ۴۳۲ پر بحوالہ مجمع البیان، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ صٓ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک نام ہے جس کی اُس نے قسم کھائی ہے۔ اور اس طرح سورۂ صٓ:

اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ

"یہ قرآن نہیں ہے مگر تمام جہانوں کے لیے ایک نصیحت"۔

المختصر سورۂ صٓ کی ابتداء بھی قرآنِ مجید سے ہے اور اختتام بھی ذکرِ قرآن (نصیحت) سے ہے۔ جو کچھ لوحِ محفوظ میں ہے اُس کی بلا چوں و چرا تسلیم و رضا سے ہے اور حروف مقطعات ہی قرآنِ مجید، اُمّ الکتاب، کتابِ مبین، امام مبین (لوحِ محفوظ) اور ان سب کے خالقِ حقیقی کی معرفت کی خوب صورت شکل ہیں اور جمالِ محمد مصطفیؐ میں تابندہ ہیں۔

اس سورہ میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو تکبر اور مخالفت میں کافر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ سمجھ لیں کہ پہلے زمانوں میں کتنے نافرمان ہلاک کیے جنھوں نے اللہ کو معبود ماننے سے انکار کیا۔ ایسے لوگوں کی

Presented by Ziaraat.com

محتاجی کا ذکر ہے کہ وہ پھر بھی عذاب مانگتے ہیں۔ آگے چل کر اسی سورہ کی آیت ۱۷ میں ارشاد ہے:

اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ اِنَّہٗٓ اَوَّابٌ

"اے رسولؐ! جو کچھ وہ کہتے ہیں (عذاب کا حصہ جلد مانگتے ہیں) اس پر صبر کر اور ہمارے بندے طاقت ور داؤد کا ذکر کر۔ یقیناً وہ بہت رجوع کرنے والا تھا"۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو سلطنت کے عطا کرنے اور اسے حکمت اور فیصلے کا علم دینے کا ذکر ہے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ حکمت سے قانونِ شریعت مراد ہے۔ اس کا ایک جزو حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ قول بھی تھا کہ گواہ لانا مدعی کے ذمہ ہے۔ اور انکار کی صورت میں عدم شہادت قسم مدعا علیہ کے ذمہ ہے۔ (تفسیر صافی، ص ۴۳۳)

عیون اخبار رضا میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ الحکمت اور فصل الخطاب سے مراد تمام زبانوں کو سمجھنا ہے اور شریعت کا جاننا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی حدیثوں میں بھی یہی ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو حکمت اور فصل الخطاب دونوں عطا فرمائی گئی ہیں۔

اس کے علاوہ اپنے دیگر مصطفیٰ بندوں (انبیاء) کا ذکر ہے۔ آدمؑ کے اندر اپنی روح پھونکنے کا ذکر ہے۔ ابلیس کے انکار کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے ابلیس! کس چیز نے تمھیں سجدہ کرنے سے روکا؟ اس وجود کو میرے دونوں ہاتھوں نے بنایا۔ کیا تو نے تکبر کیا یا تو عالین میں سے تھا؟"

بحار الانوار علامہ مجلسی جلد نمبر ۶، صفحہ ۸ پر ہے کہ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ

Presented by Ziaraat.com

ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا:

یارسولؐ اللہ! اللہ تعالیٰ کے اس قول:

قَالَ يَا اِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ میں اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ میں وہ کون لوگ ہیں جو فرشتوں سے بھی بلند مرتبہ ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: وہ بلند مرتبہ لوگ ہیں محمدؐ، علی علیہ السلام، فاطمہ، حسن علیہ السلام، اور حسین علیہ السلام ہیں۔

سورہ کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے:

"اے رسولؐ! کہہ دو میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور میں متکلفین میں سے نہیں ہوں"۔

تفسیر صافی، ص ۴۳۷ پر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں متکلف اس صورت میں ہوتا جبکہ میں تم سے ایسی بات چاہتا جس کے تم اہل نہ ہوتے۔ اس پر منافقوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ کیا محمد ﷺ کے لیے یہ کافی نہیں ہوا کہ بیس برس سے ہمیں دبائے رکھا ہے اب یہ چاہتا ہے کہ اپنی اہل بیتؑ کو ہماری گردنوں پر سوار کر دے۔ پھر وہ کہنے لگے یہ اُس کی اپنی بنائی ہوئی بات ہے۔ اگر محمد ﷺ قتل کر دیے گئے یا اپنی موت سے مر گئے تو ہم اُن کی اہل بیتؑ سے ضرور جھگڑا کریں گے۔

سورۂ ص میں دیگر اُمور کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے الصمد ہونے اور نبی ﷺ کے صبر کا ذکر ہے۔ اپنے اندر اعجاز سموئے ہوئے ہے۔

Presented by Ziaraat.com

بارھواں باب

قٓ

پارہ ۲۶، سورۂ قٓ:

قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ○

"قٓ۔ قسم ہے قرآنِ مجید کی"۔

اور اس سورہ کا اختتام:

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ

"پس تو قرآن کے ساتھ اُس کو نصیحت کرتا رہ جو میرے عذاب سے خوف کھاتا ہے"۔

کافروں کا تعجب ہے کہ مر کر مٹی ہونے کے بعد زندگی عقل سے بعید ہے لیکن وہ نہیں جانتے کیونکہ سب کچھ ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں موجود ہے۔ آسمان کی ساخت، زمین کی ترکیب، آسمان سے برکت والے پانی کا نازل ہونا نہیں دیکھتے۔ ان سے پہلے قوم نوحؑ، اصحاب رسؑ، ثمودؑ اور عادؑ کی قومیں اور فرعونی۔ اُصحاب ایکہ (بن والے) اور 'قوم تبع' نے تکذیب کی۔ رسولوں کو جھٹلایا اور اُن پر عذاب آ کے رہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پس کیا ہم پہلی پیدائش سے تھک گئے ہیں بلکہ وہ تو نئی پیدائش کے متعلق شک میں ہیں۔

تفسیر انحصال اور تفسیر عیاشی کے علاوہ تفسیر صافی، ص ۴۷۳ بحوالہ التوحید منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت اَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي

Presented by Ziaraat.com

تَبۡسٍ مِنۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس مخلوق کو اور اس عالم کو فنا کر چکے گا تو جنتی لوگ جنت میں سکونت پذیر ہو چکے ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں تو اللہ تعالیٰ اس عالم کے سوا ایک اور عالم بغیر نر اور مادہ کے پیدا کرے گا جو اس کی عبادت کیا کریں گے اور اسے واحد جانیں گے ان کے لیے زمین بھی اس زمین کے سوا پیدا کرے گا، جس پر وہ آباد ہوں گے اور آسمان بھی اس آسمان کے سوا پیدا کرے گا جو ان پر سایہ ڈالتا ہوگا۔ شاید تم سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بس اسی عالم کو پیدا کیا ہے اور تمھارے سوا اور آدمی پیدا نہیں کیے۔ ایسا نہیں ہے خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے ہزاروں عالم اور ہزاروں آدمؑ پیدا کیے ہیں اور تم تو اُن عالموں اور آدمیوں میں سب سے پچھلے ہو"۔

آگے چل کر اسی سورہ کی آیت ۲۴-۲۵

اَلۡقِیَا فِیۡ جَھَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیۡدٍ مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ مُّرِیۡبٍ

"دو بزرگوں کو حکم ہوگا کہ تم ہر عناد رکھنے والے کافر کو دوزخ میں ڈال دو۔ جو نیکی سے بڑا روکنے والا حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا تھا"۔

تفسیر صافی ص ۷۵ ۴ پر بحوالہ تفسیر قمی لکھا ہے کہ یہ خطاب رسول اللہ ﷺ اور جناب علی علیہ السلام سے ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام سے بروایت اپنے والد بزرگوار اور جدِ امجد علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"اے علیؑ! جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کل آدمیوں کو ایک بلندی پر جمع کرے گا، اُس دن میں اور تم دونوں عرش کے دائیں جانب ہوں گے اور پھر اللہ تعالیٰ مجھ سے اور تم سے فرمائے گا کہ تم دونوں اُٹھو اور جس جس نے تم دونوں سے

Presented by Ziaraat.com

بغض کیا ہے اور تمھیں جھٹلایا ہے اُن کو تم جہنم میں ڈال دو"۔

یہی روایت صواعق محرکہ ابن حجر میں بھی موجود ہے کہ وہ دو حضرات جو بغض رکھنے اور جھٹلانے والوں کو دوزخ میں ڈالیں گے وہ آنحضرت محمد ﷺ اور حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہوں گے۔

'ق' میں القادر القیوم اور القویٰ کا اعلان ہے۔'ق' ایک حرف ہے اس کی قوت کا اظہار دو حضرات سے منسوب ہے۔

بغض رکھ کر نبیؐ علیؑ سے گویا
انسان بنا چاہتا ہے خدا کا دشمن

Presented by Ziaraat.com

تیرہواں باب

اَلْقَلَم

پارہ ۲۹، سورۂ القلم کا آغاز اس طرح ہے:

نٓ ، وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ

''نٓ، قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کی نعمت سے دیوانہ نہیں ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے کہ اُس ذلیل کا کہا نہ مان جو جھوٹی قسمیں اٹھاتا ہے۔ چغل خور، نیکی سے روکنے والا اور حد سے بڑھنے والا گناہ گار ہے، جو سخت مزاج ہے اور زنا سے پیدا ہوا (حرام زادہ) ہے اور خود کو مال اور بیٹوں والا جانتا ہے۔ اور ہماری آیتوں کو کہانیاں کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مزید ارشاد ہے:

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

''جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور لوگ سجدوں کے لیے بلائے جائیں گے تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے''۔

اس سے آگے ذکر ہے کہ اُن کی آنکھیں عاجزی کرنے والی ہوں گی اور ذلت اُن پر چھائی ہوئی ہوگی۔ دنیا میں جب وہ صحیح سالم تھے تو اُنھیں سجدوں کی طرف بلایا جاتا تھا۔ اے رسولؐ! تو اب اُسے چھوڑ دے میں خود اس سے نپٹ لوں گا۔

Presented by Ziaraat.com

سورۂ قلم کی آخری دو آیات میں ارشاد ہے کہ اور قریب ہے کہ جو لوگ کافر ہو گئے جس وقت قرآن سنیں تمھیں اپنی آنکھوں سے پھسلا دیں اور وہ کہتے ہیں یقیناً وہ دیوانہ ہے حالانکہ مگر وہ (قرآن) نہیں ہے مگر جہانوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔

سورۂ پاک کی ابتداء قلم کی قسم کے ساتھ اور رسول ﷺ پر نعمتِ خاص کا بیان اور رسول کے دیوانہ ہونے کی سختی سے نفی ہے اور آخری حصّہ میں بھی ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو کافر ہو گئے یعنی ایک تو پہلے سے کافر تھے اور کچھ وہ جو بعد میں کافر ہو گئے وہ کہتے ہیں رسول دیوانہ ہے ایسا ہر گز نہیں۔ رسول تو انھیں قرآن سناتے ہیں جو جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

اب رہا "ن" اور "قلم" کا تعلق۔ تفاسیر میں منقول ہے کہ "ن" جنت میں ایک نہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جم کر روشنائی بن گئی اور پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو کچھ ہو چکا تھا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب کچھ لکھ دیا۔ پس "ن" نور ہے، قلم نور ہے، لوحِ محفوظ نور ہے جس میں پوشیدہ و ظاہر سب موجود ہیں۔

Presented by Ziaraat.com

چودھواں باب

طٰہٰ

پارہ ۱۶، سورۂ طٰہٰ:

طٰہٰ، مَا اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰی ○ اِلَّا تَذۡکِرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی

"طٰہٰ، ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے نہیں اُتارا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ بلکہ یہ نصیحت ہے اس شخص کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے"۔

تفسیر صافی، ص ۳۱۸، بحوالہ معانی الاخبار امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "طٰہٰ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اس کے معنی ہیں اے طالبِ حق اور اے ہادی راہ بر حق طٰہٰ جہاں اسم محمدؐ ہے وہاں "ط، ہ" حروف مقطعات میں بھی شامل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے پاک اللہ تعالیٰ کے صفات کے عکاس ہیں اور اسمائے باری تعالیٰ ہی سے مملوک اور ماخوذ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب، اپنے حبیب سے مخاطب ہے کہ یہ قرآن اس لیے نہیں اُتارا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔

تفسیر صافی، ص ۱۸، بحوالہ تفسیر قمی، امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو اپنے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ پاؤں سوج جاتے

Presented by Ziaraat.com

تھے اور اللہ تعالیٰ نے بنی طے کی لغت میں خطاب کر کے فرمایا: اے محمدؐ! مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کا عبادت میں اس طرح تکلیف اٹھانا برداشت نہیں۔ اللہ تعالیٰ جن و انس کو اپنے حبیب سے اپنی محبت کا اس طرح اظہار فرما کر مخلوق پر یہ واضح کر دینا مقصود ہے کہ اے انسانو! سُن لو میرے محبوب سے محبت کرو فقط اطاعت محبت کے ساتھ اور کبھی میرے محبوب کو رنجیدہ نہ کرنا۔

تقاضائے محبت کے سلسلہ میں آگے چل کر اسی سورہ میں ارشاد ہے:

اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی

''اے موسیٰؑ! یقیناً میں تمھارا پروردگار ہوں پس تو اپنے دل سے اپنے اہل و عیال کی محبت نکال دے بے شک تم اس وقت وادیٔ مقدس طویٰ میں ہو''۔

تفسیر صافی، ص ۳۱۸، بحوالہ الکمال صاحب العصر علیہ السلام سے ایک حدیث کے متعلق منقول ہے کہ سائل نے پوچھا: یا ابنِ رسولؐ اللہ، خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو جو یہ حکم دیا تھا: فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی اس کی حقیقت کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کی حقیقت یہ ہے کہ فریقین کے علماء کا یہ خیال ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا جوتا مردار کی کھال کا بنا ہوا تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص بھی اس کا قائل ہوا اُس نے حضرت موسیٰؑ کے رُتبہ کو نہ پہچانا اور اُن پر افترا کیا کیوں کہ حضرت موسیٰ نے ان ہی جوتوں (موزوں) سے نماز پڑھی اور اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب ہے حضرت موسیٰؑ کو حلال و حرام کا علم نہ تھا اور حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ایسی لاعلمی کا خیال کرنا کفر ہے۔ اس پر سائل نے کہا: یا حضرت! آپؑ ہی اس آیت کا مطلب بتا دیں۔ آپ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے باوجود اس کے کہ انھیں اپنی بیوی بچے کی بڑی محبت تھی اس وادی مقدس میں اپنی مناجات میں کہا تھا کہ میں نے اپنی

Presented by Ziaraat.com

محبت تیرے لیے خالص کر دی ہے اور تیرے ماسوا سے اپنے دل کو خالی کر لیا ہے۔

اُس وقت یہ ارشاد ہوا: فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اور یہ محاورہ عرب ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ زن و فرزند کی محبت دل سے نکال دے تاکہ تیری محبت میرے لئے خالص ہو جائے اور تیرا دل اور کی طرف مائل نہ رہے۔ یہاں یہ بات انتہائی اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت (بندوں کی طرف سے) کو مشروط کر دیا کہ بیوی، بچے مال و متاع اور تمام رشتوں کی محبت کو دل سے نکال کر ہی اللہ تعالیٰ سے خالص محبت ممکن ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب و محبوب حضرت محمد ﷺ سے محبت ہے اسی لیے اپنے رسول محمد ﷺ سے محبت کرنے والے ہر دعویدار پر واجب قرار دیا کہ محبت رسولؐ خدا کا تقاضا ہے کہ ہر وہ شخص جو آپؐ سے محبت کرتا ہے وہ اپنے بیوی، بچوں، مال و دولت، ماں باپ، غرضیکہ ہر رشتہ کو آپؐ کی محبت پر قربان کر دے۔

سورۂ طٰہٰ، آیت ۲۵:

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا

"اے پروردگار! تو تم نے مجھے اندھا کر کے کیوں محشور کیا جب کہ میں دُنیا میں دیکھنے والا تھا"۔

تفسیر صافی، ص ۳۲۴ پر ہے کہ اس آیت میں اندھے سے مراد آخرت میں آنکھوں سے اندھا اور دُنیا میں ولایت امیرالمومنینؑ کی طرف سے دل کا اندھا ہے۔ قیامت کے دن ایسا شخص پریشان ہو کر عرض کرے گا: رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا جواب ملے گا کہ یہ ہماری نشانیاں ائمہ کرام آئے تھے اور تم نے انھیں بھلا دیا۔ نہ اُن کا قول سنتا تھا اور نہ ان کی اطاعت کرتا تھا، تو نے ان کو چھوڑ دیا تھا اس لیے آج تو بھی جہنم میں چھوڑ دیا جائے گا۔ عربی زبان کی وسعت بے پایاں ہے۔ ہر زبان کی محاورتی زبان میں الفاظ کے اصل معانی سے ہٹ کر بسا اوقات دیگر معانی

Presented by Ziaraat.com

سامنے آتے ہیں اور عربی زبان کا بالخصوص یہ طرۂ امتیاز ہے جیسے نَعۡ محاورہ میں استعمال ہونے پر تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے نکل جانے کے معانی میں آیا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے سورۂ طٰہٰ پارہ ۱۶ میں فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ بھی محاورے کی زبان میں آیا ہے۔

اپنے نعلین اُتار دے کی بجائے اس کو محاورہ کی زبان میں سمجھنا اور عمل کرنا ہوگا کیونکہ قرآنِ حکیم میں ایسی بیشتر مثالیں موجود ہیں کیونکہ قرآن اہلِ عرب کی تفہیمی زبان (عربی زبان) میں نازل ہوا۔ پس اسے اُس کی روح کے مطابق پڑھا اور سمجھا جانا لازم ہے۔

پارہ ۲۸، سورۂ جمعہ، آیت ۱:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ

''جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ تعالیٰ بادشاہ پاکیزہ زبردست، بڑے حکمت والے کی تسبیح کرتا رہتا ہے''۔

پارہ ۲۸، سورۂ تغابن، آیت ۱:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

''جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ تعالیٰ ہی کی تسبیح کرتا ہے۔ بادشاہت اسی کے لیے ہے۔ اور حمد بھی اس کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے''۔

سورۂ صف، آیت ۱:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

Presented by Ziaraat.com

”جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ
کی تسبیح کرتا ہے اور وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے“۔

سورۂ جمعہ اور سورۂ تغابن میں یسبح سے مراد بمعنی تسبیح کرتے ہیں اور سورۂ الصف میں سبح بمعنی تسبیح کی میں آیا ہے۔

اہلِ عرب محاوراتی زبان میں سبح، سبوحا اُس وقت کہتے ہیں جب گھوڑا تیز رفتاری سے دوڑتا ہوا نکل جائے۔ نیز عرب کا محاورہ ہے: اَلفَرَسُ یَسبَحُ فِي سَرَحَتِهٖ یعنی ”گھوڑا اپنی تیزی میں دوڑ رہا ہے“۔ (لغات القرآن نعمانی جلد ۳، ص ۱۷۹)

Presented by Ziaraat.com

پندرہواں باب

یٰسٓ

پارہ ۲۲، سورۂ یٰسٓ:

یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

"یٰس، قسم ہے حکمت والے (محکم) قرآن کی یقیناً تم رسولوں میں سے ہو"۔

یٰسین دو حروف مقطعات کا ایک مرکب ہے۔ "ی، س"

تفسیر صافی، ص ۴۲۱، پر بحوالہ الاخبار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یٰس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اس کے ظاہری۔ معنی ہیں "اے وحی کے سننے والے"۔ اسی طرح تفسیر قمی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یٰس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ خطاب فرماتا ہے:

اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ کَرِیْمٍ ○

"سوا اس کے نہیں کہ تو اُسے ڈرا سکتا ہے جس نے نصیحت کی پیروی کی، خدائے رحمٰن سے غائبانہ ڈرا پس اُسے بخشش اور

Presented by Ziaraat.com

باعزت بدلہ کی خبر دے"۔

تفسیر صافی، ص ۴۲۱ پر بحوالہ کافی منقول ہے کہ اس آیت میں مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ سے مراد جناب امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں۔

آیت نمبر ۱۲ میں ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ

"اور ہم نے کل اشیاء (ہر چیز) کو امام مبین میں جمع کر رکھا ہے"۔

تفسیر صافی، ص ۴۲۱، بحوالہ تفسیر قمی جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: خدا کی قسم کہ وہ امام مبین میں ہوں۔ میں حق و باطل کو صاف صاف بیان کر دیتا ہوں اور میں نے یہ عہدہ رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراثتاً پایا ہے"۔ دیگر حوالہ جات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

ان تمام سورہ ہائے قرآنی جو حروف مقطعات سے شروع ہوتے ہیں ان کے مطالعہ سے ایک اجمالی صورت سامنے آتی ہے کہ حروف مقطعات کوئی الگ چیز یا حروف نہیں بلکہ اُس سورہ کا ابتدائیہ ہیں اور اُس کے بعد اس کی توضیح میں سب کچھ بیان کیا گیا ہے۔ بالکل ایسے جیسے کوئی صاحب علم زیب منبر ہو کر یہ کہے کہ میرا آج کا موضوع نماز ہے۔ پھر وہ اس کی تفصیلات میں جاتا ہے یعنی مقدمہ نماز اس میں وضو، ترکیبِ وضو، وضو کی سہولیات نہ ہونے کی صورت میں متبادل کے طور پر تیمم۔ پھر نماز کی جگہ۔ نماز فرض، واجب، نماز سنت، نماز تہجد، نماز وتر، نماز نافلہ اور زندگی کی حاجت میں دیگر حاجتی نمازیں غرضیکہ نماز جنازہ، ان تمام امور کے ذیلی امور زیر بحث لاتا ہے۔ یہاں میرا یہ کہنا صرف اس لیے ہے کہ نماز ایک موضوع ہے اور اُسی طرح موضوع ہے جس طرح حروف مقطعات یعنی یہی صداقت ہے کہ حروف،

Presented by Ziaraat.com

مقطعات معانی و مطالب کے حامل ہیں۔ ہرگز بے معنی نہیں اور جو ان کو بے معنی سمجھتا ہے وہ دنیا میں دل کا اندھا اور آخرت میں آنکھوں کا اندھا ہے۔ کیونکہ ایسے شخص نے اللہ تعالیٰ کے نامزد مکرم و محترم اشخاص سے کنارہ کشی اختیار کیے رکھی اور انھیں پہچاننے میں ناکام رہا۔ ایسا شخص جاہل ہے اس کی حالت ایسی ہے کہ۔

فقط اقرار کسی کام کا نہیں ہے عاشق
لازم ہے قلب و نظر کا مسلماں ہونا

کوئی بندہ دل و نگاہ سے اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی خواہشات، قرابت داریوں، حتیٰ کہ اپنی ذات سے بڑھ کر محبت نہ کرے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن وارثان جو علم لدنی کے حامل ہیں کی مودّت نہ رکھے۔ جب تک وہ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ پر ایمان لاتے ہوئے اس کی تائید اور اتباع نہ کرے وہی شخص اندھا، بہرہ اور گونگا ہے۔ اس کی دُنیا بھی رائیگاں اور آخرت بھی اکارت ہوئی۔

قرآنِ حکیم اپنے اندر جہاں مکمل آگہی سموئے ہوئے ہے وہیں اس میں گراں بہا گنجینۂ ادب بھی موجود ہے، جو ادبی اعتبار سے دنیائے عالم کی تمام زبانوں سے ممتاز ہے اور بفرمانِ خداوندی قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی کی زبان سے اُسے آسان بنادیا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ایسے سورہائے پاک جن کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوئی ہے اُن کی تعداد ۲۹ ہے۔

ایک حرف سے شروع ہونے والے سورہ کی تعداد تین (۳) ہے، دو حرفی مقطعات سے شروع ہونے والے سورہ کی تعداد دس (۱۰)، تین حرفی مقطعات والے سورہ کی تعداد تیرہ (۱۳) چار حرفی مقطعات والے سورہ کی تعداد دو (۲) اور

Presented by Ziaraat.com

پانچ حرفی مقطعات سے شروع کیے گئے سورہ کی تعداد بھی ایک ہے۔

مختلف عنوانات کے تحت سابقہ اوراق میں ا ل م ر ط ہ ی س ص ق ن کو قرآنِ حکیم، رسول اکرم (محمد ﷺ) اور آئمہ معصومینؑ کے فرمودات کی روشنی میں سمجھنے اور اس کی تفہیم بیان کی گئی ہے۔

ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں حروف مقطعات کی مکرر تعداد کو چھوڑ کر تعداد چودہ ہے اور اس کائنات کی زیب و زینت بھی چودہ ہیں یہ محض اتفاق نہیں بلکہ ایک حقیقت باب قرآن سورۂ فاتحہ کی تعداد سات ہے اور دو رکعت نماز بہ تکرار پڑھنے سے آیات کی تعداد بھی چودہ ہے۔ سورۂ فاتحہ کا تفصیلی ذکر پچھلے ابواب میں کیا گیا ہے۔ یہاں پر ذکر ان حروف کے اندر چھپی معجزہ گری کے بارے میں جاننا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ تمام حروف مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے حروف ہیں جو ہر اسم سے ایک ایک کر کے الگ کر لیے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملانے سے جو معانی اور حقیقت عیاں ہوتی ہے وہی ادراک کی معراج ہوتی ہے اور اس کی ترتیب دینے کا حق صرف نبی یا امام کو ہے کیونکہ وہی تو اس علم کو جانتے ہیں۔

تفسیر برہان صفحہ ۳۴ ملا حسن، تفسیر صافی ۲۱ میں لکھتے ہیں کہ حروف مقطعات میں سے مکرر حروف گرا دینے سے باقی حروف چودہ رہ جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں (ص ر ا ط ع ل ی ح ق ن م س ك ہ)

ان کا ملا دینے سے یہ فقرہ بنتا ہے۔

صِرَاطُ عَلِیٍ حَقٌّ نُمسِکہ یعنی "علی کی راہ حق ہے ہم اس کو اختیار کریں گے"۔

اگرچہ علماء نے ان حروف کے معانی اپنے اپنے خیال سے لکھے ہیں تاہم ان

Presented by Ziaraat.com

حروف میں اسرار خداوندی ہیں جنہیں اللہ تعالی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور راسخون فی العلم (وارثانِ علمِ نبی) ہی جانتے ہیں لہٰذا اس حقیقت کو تسلیم کر کے ہی انسان راہ ہدایت پا سکتا ہے کہ حروف مقطعات اسمائے اللہ تعالی (اسم اعظم) کے اجزاء ہیں اور خوب صورت معانی کے حامل ہیں اور ان ہی کی بدولت قرآن فہمی ممکن ہے اور یہی حروف اجمال قرآن ہیں اور ہر نئے بیان کا سرنامہ ہیں۔

Presented by Ziaraat.com

سولھواں باب

حروفِ اعظم

قرآنِ حکیم اور دیگر کتب سے رہنمائی کے بعد نتیجۃً حروف مقطعات کے ادراک تک آنے والے معانی کا ذکر اسی کتاب (کشف حرف) میں مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔ اور دیے گئے تمام معانی و مفاہیم آئمہ معصومینؑ کے فرامین سے لیے گئے ہیں۔ حروف مقطعات کے جزوی اور انفرادی معانی کے علاوہ ایک اور خاص بات یہ ہے کہ تمام حروف اسمائے اعظم ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اظہار اور ارادے کی دلیل ہیں، مثلاً:

الف۔ اللہ تعالیٰ کے "اَحد" ہونے کی دلیل ہے جس میں دو کا تصور نہیں ہے۔ اس میں کوئی شریک نہیں ہے۔

لام: اللہ تعالیٰ "اللطیف" ہے۔ تخلیقِ کائنات اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے تلطف کی بھرپور دلیل ہے۔

میم: المالک الملک میں سے ہے۔ ملک اللہ کا ہے، وہ بادشاہ مطلق ہے اور اُسی کو ہی زیبا ہے اور جس طرح چاہے اور اُمور مملکت کائنات چلائے۔

ر: رب العالمین سے چنا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے بہترین رزق دینے والا، پالنے والا، دنیوی زندگی کے لیے رحمن ہے اور آخری زندگی بعد از موت کی زندگی کے لیے رحیم ہے۔

س: السمیع اور السلام سے ہے۔ سب کچھ سنتا ہے اور سلامتی عطا فرماتا

Presented by Ziaraat.com

ہے۔ تسلیم ورضا کو پسند فرماتا ہے۔

ص: الصمد کا جزو ہے۔ اُس کی بے نیازی کا اعلان ہے وہ ہی غنی ہے باقی سب محتاج ہیں، وہی الصمد ہے وہی الصبور ہے۔

ق: القیوم والقوی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ پر استدلال ہے اس کے القادر والقدوس کی صفات کا ترجمان ہے۔

ع: العدل، العلی، العظیم اور العلیم کی جزو ہے اور اللہ تعالیٰ کے عدل علویت، عظمت اور اس کے علم کل ہونے پر دال ہے۔

ن: یہ حرف النور کا حصّہ ہے۔ کائنات کے اندر موجودات میں اسی نور کا کمال بھی ہے اور اسی نور کو ہی کمال ہے۔

ح: الحق کا سر نہاں ہے۔ الحفیظ اور الحلیم کا داعی ہے۔ حلیم ایسا کہ اپنے سر کشوں کو برداشت کرتا ہے اور اپنوں کو اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔

ک: اللہ تعالیٰ الکبیر کی کبریائی اور الکریم اس کے کرم کے ثابت ہونے پر تصدیق ہے۔ ساری کائنات اُس کی کبریائی کی ممدوح ہے۔

ہ: الھادی سے عنوان ہے۔ اللہ تعالیٰ باغیوں کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔ ہدایت کے طلب گار کے لیے ایسی ہدایت ہے جو بندے کو معبود کی معرفت دیتی ہے۔

ط: حرف "ط" مختص ہے۔ یہ حرف کچھ اور حروف جن کی تعداد چار ہے میں احصا ہے۔ پانچوں حروف کے اکٹھا ہونے سے معانی پاتا ہے۔

س: حرف آخر یگانت کا دعویٰ دلیل کے ساتھ ہے اور کوئی ایسا جو ایسا کر سکے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ ہرگز نہیں۔

حروف مقطعات میں سے کچھ ایسے حروف ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ سے اپنے بندوں کو مملوک کیا اور اُن کا تعارف کرایا اور اُن بندوں نے حق تعالیٰ

Presented by Ziaraat.com

(کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا) کا یوں تعارف کرایا جیسے وہ چاہتا تھا۔ اُن حروف کی تشکیل کچھ ایسے ہوئی۔

اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے۔ اپنے صفت ثبوتیہ متکلم کی میم کو محمد کے اسم میں ڈھالا۔ اُس میں ربوبیت کی "ر" شامل کی، رب العالمین سے رحمت اللعالمین کی صفت کو محمد ﷺ سے جوڑ دیا (م+ر= محمد رحمت اللعالمین)

دوسرا بندہ علی علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ثبوتیہ عالم سے "ع" چُنا۔ علی نام دیا سب سے بلند، بلندیوں سے بلند، پھر اُس میں القادر کی صفت شامل کر کے "ق" کو اس کی ذاتی صفت قرار دیا۔ اُس کی قوت اور قدرت کا لوہا منوایا اور ذات اور صفت کو یکجا کر دیا۔ "الصبور" کی صفت سے بے حد صبر کرنے والا بنا دیا۔ (ع+ق = علی قوت پروردگار)

تیسری وہ کنیز خدا ہے، جو فاطمہؑ کے نام سے موسوم ہے اور یہ نام پانچ حروف کا مرکب ہے۔ اور اس میں "ط" کو مرکزی حیثیت ہے۔ سیدہ زہراء طہارت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت خاص وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا کی مصداق کے وصف ذات کو مرکز بنایا یعنی "ط" کو درمیان میں رکھا۔ فاطر السموات سے "فا" لیا اور "المصور" کی میم اور اور اسم ذات "اللہ" سے "ہ" چُنا اور سب کچھ تمام کر دیا۔ ایک نام وجود میں آیا۔ وہ نام فاطمہؑ ہے اور ہر دور میں اُسے "مباہلہ" کا مقام حاصل ہے۔

حسنین کریمینؑ، محسنانِ انسانیت ہیں۔ حرف "ح" مشترک ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی صفت ثبوتیہ الحی سے "ح" کو لے کر حسنین علیہم السلام کے لیے وقف کر دیا اور النور سے "ن" کو لے کر "ح" کی صفت قرار دیا۔ پھر دنیا نے دیکھا تاریخ نے لکھا۔ کردار حسنینؑ انسانیت کا نور بن گیا۔ الحی اور الحق میں النور کی آمیزش سے

Presented by Ziaraat.com

حسنین کو وجود عطا کیا=ح+ن (حسنین+نور)

ایک نقطے سے جو پھیلی تو محمدؐ بن گئی
ہے یہی لوح و قلم کے ارتقاء کی روشنی
آئے گا تم کو نظر پھر نور آلِ مصطفیٰؐ
غور سے دیکھو جہاں تک ہے خدا کی روشنی

Presented by Ziaraat.com

سترھواں باب

انسان کاملین

قرآن مجید فرقانِ حمید کے پارہ ۳۰، سورۂ علق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا
لَمْ يَعْلَمْ

"اے رسولؐ! پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ اُس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا اور تیرا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی۔ اُس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا"۔

تفسیر صافی، ص ۵۲۳ پر بحوالہ تفسیر قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ سب سے پہلی سورہ ہے جو نازل کی گئی۔ اور جس وقت جبرائیل امینؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے تو کہا: یا محمدؐ! اِقْرَاْ پڑھیے۔

آپؐ نے فرمایا: وَمَا اَقْرَاْ "میں کیا پڑھوں"۔ اُس نے کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ یہاں خلق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے نور کو سب چیزوں سے پہلے پیدا کیا۔

اس سورہ کی پہلی آیت میں یعنی پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا اور دوسری آیت میں (پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے) مذکور ہے۔

Presented by Ziaraat.com

پہلی اور دوسری آیت میں الگ سے تخلیق کے ذکر نے یہ تمیز قائم کر دی کہ پہلی تخلیق اور ہے اور دوسری تخلیق اور ہے اور یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اپنے محبوب کو انسانی شکل میں پیدا کرنے سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا کیا۔

جیسا کہ آیت ۳ اور آیت ۴ ، اِقْرَأْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ کا اَلَّذِیْ کی وجہ سے اتصال ہے۔ مگر پہلی دونوں آیات میں ایسا نہیں ہے۔ یہی وہ امر ہے جس ذریعے یہ بات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

"رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی۔ انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان کرنے کی تعلیم (قدرت) دی"۔

پہلے نور حبیب کو پیدا کیا اور اُسے وہ کچھ تعلیم کر دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ اور جب اُسے دُنیا میں بھیجنا مقصود و مطلوب تھا اُسے اپنی اور کتاب کا علم جاننے والے کی گواہی کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ جس کے لیے ایک خاص سلسلہ قائم فرمایا۔ اور اُس کی ابتدا آدم علیہ السلام سے فرمائی۔ آدم علیہ السلام کو وجود عطا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ارض و سما، شمس و قمر، نجوم و بروج، اور جن و ملائک، بحر و جبل، غرضیکہ ہر چیز کو اس کے تصرف میں لانے کے لیے پیدا فرمائی اور ایک وقت ایسا آیا کہ اپنی مرضی اور منشا کے مطابق یہ فرمایا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ ملائکہ اور جن حیران تھے۔ عرض کیا کہ یہ تو زمین میں فساد برپا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے"۔ حیرت بڑھی تو فرمایا: اچھا آدم علیہ السلام کا اور تمہارا امتحان لے لیتے ہیں اور یہی بات معیار خلافت اور فضیلت ہے اور وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا آدم علیہ السلام کو کُل کے کُل نام تعلیم کر دیے اور فرشتوں سے پوچھا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اور پھر فرشتوں سے اُن کے بارے میں پوچھا اور فرمایا: اگر تم سچے ہو

Presented by Ziaraat.com

تو مجھے ان سب کے نام بتاؤ۔ انھوں نے کہا: تو ہر عیب سے پاک ہے ہمیں تو کوئی علم نہیں سوائے اس کے کہ جو تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو بہت ہی جاننے والا اور بڑا حکمت والا ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدمؑ! ان فرشتوں کو ان کے نام بتا دو۔ پس جب آدم علیہ السلام نے اُن فرشتوں کو اُن کے نام بتا دیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ یقیناً میں آسمانوں اور زمینوں کی چھپی ہوئی باتوں سے بھی واقف ہوں اور وہ کچھ جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ جب ہم نے سب فرشتوں سے یہ کہا کہ آدم کے لیے جھکو تو سب جھک گئے سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کر دیا اور غرور میں آ گیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) وہ کچھ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے یعنی فرشتے جو کچھ ظاہر کر رہے تھے وہ کچھ اور تھا اور جو چھپا رہے تھے وہ اپنی برتری (نوری مخلوق ہونے کی) اور فضلیت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد کرنے کی بات تھی اور اسی بنا پر اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہونے کی خواہش تھی۔ چونکہ ابلیس بھی ملائکہ کا ہم جلیس اور ہم نشیں تھا اور عبادت و تسبیح و حمد میں بھی کمال حاصل کر چکا تھا اور اُسے بھی یہ زعم کھائے جا رہا تھا کہ وہ (ابلیس) آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور مقام و مرتبہ بھی رکھتا ہے۔ لہٰذا یہ حق خلافت صرف اسی کو ہی جچتا ہے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کا پُتلا تو ایک عجیب سی مٹی کے مرکب سے بنایا گیا ہے اور اُسے آدمؑ پر ناری ہونے کی وجہ سے فضلیت ہے۔ یہی وہ چھپی ہوئی بات تھی جس کا رب کریم نے ذکر فرمایا ہے۔

اس طرح انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت اور شرافت ملی اور یہ عظمت علم کی بدولت عطا کی گئی اور پھر ایک کڑی آزمائش کے بعد زمین پر بھیج دیا۔ اور یہی اُس کا مستقر فرما دیا۔

Presented by Ziaraat.com

پارہ ۸، سورۂ الانعام، آیت ۱۳۰:

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا

''اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمھارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آتے تھے جو تم پر ہماری آیتیں بیان کرتے تھے اور آج کے دن کی ملاقات سے ڈرایا کرتے تھے''۔

تفسیر صافی، ص ۱۶۴ پر بحوالہ عیون اخبار الرضا لکھا ہے کہ ایک شامی نے امیرالمومنین علی علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا خدا تعالیٰ نے جنوں میں سے بھی کوئی نبیؑ مبعوث کیا تھا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ایک نبی بھیجا تھا، جس کا نام یوسفؑ تھا۔ اُس نبیؑ نے اُن کو خدا کا حکم سنایا تھا اور اُن لوگوں نے اُسے قتل کر دیا تھا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جنوں کے لیے بھی نبی بنا کر بھیجا اور آدمیوں کے لیے بھی۔

پارہ ۱۷، سورۂ الحج، آیت ۷۵ پر ارشاد ہے:

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ

''اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولوں کو چھانٹ (چن) لیتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے''۔

تفسیر صافی، ص ۳۴۰ پر ہے کہ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی لے کر آتے رہے اور خدا تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان سفارت کا کام سرانجام دیتے تھے۔

Presented by Ziaraat.com

تفسیر قمی میں ہے کہ اس سے مراد جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل ہیں۔

تفسیر صافی، ص ۳۴۰ پر ہے کہ اور انسانوں میں سے مراد ہے کہ آدمیوں میں سے ایسے رسول چنتا ہے کہ لوگوں کو حق کی دعوت دیں اور جو کچھ اُن رسولوں پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچائیں۔

تفسیر قمی میں ہے کہ اِن سے مراد انبیاء اور اوصیاء ہیں۔ پس انبیاء میں سے حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاص ہیں اور ان پانچوں میں خصوصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ اسی طرح اوصیاء میں سے حضرت علی علیہ السلام اور دیگر آئمہ علیہم السلام خاص خصوصیت رکھتے ہیں۔

پارہ ۳، آیت ۱ میں ارشاد ربانی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ

”یہ سب رسولؐ جن کو ہم نے بھیجا ان میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ان میں سے وہ رسول بھی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے خود کلام کیا۔ اور اُن میں سے بعض کے درجے بلند کیے“۔

انبیاء و مرسلین میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔ پہلے انبیاء جزوی نبی ہوا کرتے تھے یعنی کوئی نبی کسی علاقے یا خطے کے لیے تھا تو کوئی نبی اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوا۔ لیکن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام دنیاؤں اور زمانوں کے لیے نبی ہیں۔ آپؐ زمین و آسمان کی تمام مخلوق، اجرام فلکی، ستارگان، سیارگان وغیرہ سب کے نبی ہیں۔ حتیٰ کہ تمام سابقہ انبیاء و مرسلین کے بھی رسول ہیں۔ روز میثاق کے

Presented by Ziaraat.com

مطابق تمام انبیاء بھی آپ کی اُمت ہیں۔ اس لیے آپؐ کو سب نبیوں اور پوری کائنات پر فضلیت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنے بڑے شرف کے بعد جب زمین پر بھیجا تو اس کے بعد آدمؑ اور نسلِ آدم کے لیے کچھ شرائط اور ضابطے طے کیے کہ یہ دنیا اس کے لیے جہاں راحتوں کے سامان فراہم کرے گی وہیں اس کے لیے آزمائشیں اور مشکلات بھی درپیش ہوں گی۔ لہٰذا انسانی زندگی کو خوب صورت رُخ دینے کے لیے انہی انسانوں میں سے اپنے خاص بندوں کو چُن لیا اور اُن کے ذریعے ضابطۂ حیات مقرر فرمایا جو مختلف اَدوار میں صحیفوں اور کتابوں کی صورت میں نازل فرمائے اور انسان کو تقویٰ کی نعمت عطا کی۔ اللہ تعالیٰ سے محبت اور زندگی میں دوسری تمام حاصل شدہ نعمتوں کا شکر اور اس کیفیت میں اللہ تعالیٰ سے محبت کی وارفتگی میں اُس سے ڈرنے کو مقصدِ حیات بنانا اور راضی بہ رضا ہونا دلیل شرفِ انسانی ہے اور بلندیٔ درجات کا ذریعہ ہے۔

پارہ ۱ سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۴ میں ارشادِ خداوندی ہے:

يُنْصَرُونَ وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ
اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ
عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ

"وہ وقت یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ کے رب نے اُس کا امتحان لیا چند کلمات سے تو اُس نے اُسے پورا کر دیا"۔

تفسیر صافی، ص ۴۶ اور کافی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے ابراہیمؑ کو نبی مقرر کرنے سے پہلے اپنا عبد مقرر کیا اور رسول بنانے سے پہلے نبوت عطا فرمائی پھر خلیل بنانے سے پہلے رسول بنایا اور امام مقرر کرنے سے

Presented by Ziaraat.com

پہلے خلیل بنایا۔ جب یہ سب مدارج طے ہو گئے تو فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا چونکہ یہ ایک بلند درجہ تھا اور آپؑ کے دل میں اس عہدہ کی بے حد عظمت تھی۔ حصول مقام امام میں وہ لذت تھی کہ آپؑ نے اپنی اولاد کے لیے بھی یہ سوال کر دیا، قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ "میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا"۔

یہ عہد کیا ہے؟ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

سورۂ یٰسین، پارہ ۲۳:

اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ

"اے اولادِ آدمؑ! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کے بندے نہ بننا۔ (یعنی اُس کے کسی امر کی بھی اطاعت نہ کرنا۔ کیوں کہ گناہ صرف شیطان کی اطاعت ہی سے ممکن ہے)"۔

پارہ ۲۱، سورۂ لقمان میں ارشاد ہے:

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ

"بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے"۔

پارہ ۳ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَالْکٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ

"اور کافر ہی ظالم ہیں"۔

پارہ ۲، سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حدیں پھاند جاتے ہیں وہ ظالم ہیں"۔

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں یہ امر طے ہو گیا کہ ظالم کون لوگ ہیں۔

Presented by Ziaraat.com

① شیطان کا اطاعت گزار (گنہگار)

② جو کسی کو خدا کا شریک ٹھہرائے۔

③ کافر

④ جو اللہ کی مقرر کردہ حدود کو پھلانگ جائے۔

پارہ ۱۲ سورۂ ھود میں ارشاد ہے:

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ

"اور اُن کی طرف مت جھکو جن لوگوں نے ظلم کیا۔ ورنہ تمھیں آگ چھو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمھارا کوئی بھی سرپرست نہ ہوگا۔ پھر تمھاری مدد نہیں کی جائے گا"۔

مذکورہ آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جو لوگ ظلم کر چکے یعنی وہ لوگ کبھی شیطان کے اطاعت گزار رہ کر گناہ کے مرتکب ہوئے، شرک اور کفر کیا، اللہ تعالیٰ کی حدود کو پھاندا وہ ظالمین میں سے ہیں۔ اور امامت کا عہدہ ایسے لوگوں کے لیے نہ ہے اور انتہائی رفعت کا مقام صرف ایسے لوگوں کے لیے ہے جو معصوم عن الخطا ہوں، جنھوں کبھی شرک نہ کیا ہو اور نہ ہی اُن سے کوئی گناہ سرزدہ ہوا۔

ایسے لوگ جو گناہ کے اِن تمام مراحل سے لذت آشنا رہے ہوں اور بالآخر توبہ کر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں، تو اللہ توبہ قبول کرنے اور بخشنے والا ہے۔

پس یہ حقیقت عیاں ہے کہ ظالموں کو اس عہدۂ امامت پر فائز نہیں کیا جا سکتا اور یہ بروئے قرآنِ پاک مسلم ہے اور اس کی اہمیت کو مزید اجاگر کرنے کے لیے رب العزت نے پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ

Presented by Ziaraat.com

فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا

"یاد کرو اُس دن کو جب کہ ہم سب لوگوں کو اُن کے امام کے ساتھ بلائیں گے پھر جنھیں اُن کا اعمال نامہ اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اپنا اعمال نامہ خوش ہو کر پڑھیں گے اور انھیں ایک سُوت برابر بھی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا"۔

تفسیر صافی، ص ۲۹۳ بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی، امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس وقت یہ آیت (یَوْمَ نَدْعُوا ـــ الخ) نازل ہوئی تو مسلمانوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! کیا آپؐ کل انسانوں کے امام نہیں ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: میں کُل آدمیوں کی طرف خدا کا رسول ہوں۔ لیکن میرے بعد عنقریب میرے اہلِ بیت میں سے کل آدمیوں کے لیے امام بھی مقرر کیے جائیں گے جو آدمیوں پر اپنا حق ثابت کر دیں گے پھر بھی جھٹلائے جائیں گے اور کفر و ضلالت کے پیرو کار اُن حقیقی اماموں پر ظلم کریں گے۔ پس جو شخص اُن حقیقی آئمہ سے دوستی رکھے گا اور ان کی تصدیق کرے گا اُن کی اتباع کرے گا، پس وہ مجھ سے ہے اور میرے ساتھ ہوگا اور عنقریب مجھ سے آ ملے گا۔ اور غور سے سن لو جو شخص ان برحق آئمہ پر ظلم کرے گا اور ان کی تکذیب کرے گا پس وہ نہ مجھ سے ہوگا اور نہ ہی مجھ سے اُس کا کوئی واسطہ ہوگا۔ اور انسان کا امام سے رشتہ بھی واضح کر دیا کہ دُنیا میں امام برحق کی اتباع کرنے والے ہی بروزِ محشر امام برحق کے ساتھ بلائے جائیں گے اور باطل اماموں کے ساتھ محشور ہونے والے دردناک انجام کا شکار ہوں گے۔ اور ایسے لوگوں کے وہ باطل امام اُن کی نفی کریں گے۔

یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ سلسلۂ اولیاء و مرسلین میں بھی ایسے انبیاء ہیں جن کو منصبِ امامت پر فائز کیا گیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام

Presented by Ziaraat.com

اور دیگر کے علاوہ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ ہیں جو امام الانبیاء اور امام الآئمہ ہیں۔

پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل میں ارشادِ ربانی ہے:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

"پاک ہے وہ ذات خدا کی جس نے سیر کرائی اپنے بندے محمدؐ کو رات کے ایک حصّے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔ جس کا ماحول ہم نے مبارک بنایا، تاکہ اس بندے کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ یقیناً وہ بہت سننے والا اور بڑا دیکھنے والا ہے"۔

تفسیر عیاشی میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ وہ مسجدیں جن کی خاص خاص فضیلتیں ہیں کون کون سی ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: مسجدِ حرام، مسجدِ رسولؐ (مسجدِ نبویؐ) اس پر کسی نے کہا کہ اور مسجدِ اقصیٰ؟ آپؑ نے فرمایا: وہ تو بالائے آسمان ہے۔ جہاں شبِ معراج رسول ﷺ کو لے جایا گیا تھا۔ اس پر پوچھنے والے نے عرض کیا: لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ مسجدِ اقصیٰ سے بیت المقدس مراد ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اس سے تو مسجدِ کوفہ افضل ہے۔

مُلّا محمد باقر مجلسی نے حیات القلوب، جلد ۲، ص ۲۶۰ پر لکھا ہے کہ آیات و احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو ایک رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے سارے آسمانوں سدرۃ المنتہیٰ اور عرشِ معلی تک کی سیر کروائی اور یہ معراج بدنی تھی، بغیر بدن کے نہ تھی۔

حیات القلوب، جلد ۲، صفحہ ۲۶۲ پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول

Presented by Ziaraat.com

ہے کہ جو شخص معراج جسمانی، شفاعت اور سوال قبر و دوزخ کا انکار کرے وہ ہمارے شیعوں میں سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو بالخصوص ملائکہ اور جنات کو انسانی رفعت و بلندی اور عظمت اعلیت کا مقام دکھا کر انسان (عبد) سے اپنی محبت بتا رہا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے معراج مصطفویؐ کے ذریعے انسان پر تسخیر کائنات کے دروازے کھول دیے۔ اور آج کا ترقی یافتہ انسان چاند اور مریخ کی تسخیر کے ساتھ ساتھ مزید رفعتوں کی دریافت میں لگا ہوا ہے۔

معراج کی شب تمام انبیاء سے ملاقات اور باجماعت نماز کا ادا ہونا انبیاء کا رسول ﷺ کی اقتدا میں ہونا مسجدِ اقصیٰ سے متعلق ہے اور تمام انبیائے ماسلف اور تا حشر زندہ و موجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کا وجود بھی آسمانوں سے متعلق ہے۔ یہی بات قرینِ قیمنا ہے کہ مسجدِ اقصیٰ زینتِ افلاک ہے۔ یہی بات آئمہ سے روایت ہے:

پارہ ۲۹، سورۂ دھر میں ارشاد ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا

"کیا یقیناً انسان پر زمانہ میں سے کوئی ایسا وقت آیا کہ وہ کوئی ذکر کی گئی چیز نہ تھا"۔

تفسیر صافی، ص ۵۱۶ پر ہے کہ هَلْ یہاں پر استفہام اقراری ہے اس لیے یہاں اس کا مطلب کیا کی بجائے یقیناً کیا گیا ہے۔

تفسیر صافی، ص ۵۱۷، پر بحوالہ کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مذکورہ سے مراد یہ ہے کہ انسان مقدور تھا لیکن مذکور نہ تھا اور تفسیر مجمع البیان میں

Presented by Ziaraat.com

آپؑ سے بھی روایت منقول ہے اور الخازن اور مجمع البیان میں بھی امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

انسان کا ہونا اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا تھا۔ گویا یہ امر اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں تھا اور کہیں نہ تھا کیوں کہ جن و ملائک تھے مگر بے خبر تھے۔ انسان کا ذکر اُس وقت ہوا جب وہ تخلیق ہوا اور ذکر اُس کی رفعتوں کے ساتھ بیان کیا گیا۔ جس نے جن و ملائکہ کو حیران کر کے رکھ دیا۔ اور اُس کے اور جن و ملائکہ کی زبان پر انسان کا ذکر تھا۔

سورۂ دھر میں ارشاد خداوندی ہے کہ ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا۔ کہ ہم اُسے آزمائیں اُسے سننے اور دیکھنے والا بنایا اُسے راستہ بتا دیا شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا اس سے آگے کافروں کے لیے سزا اور نیک لوگوں کے لیے جزا و نعمات کا ذکر ہے۔ پھر آیت ۸ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَاَسِيرًا ''اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں''۔

تفسیر صافی، ص ۵۱۸، پر بحوالہ تفسیر مجمع البیان ایک طویل روایت منقول ہے جو عالم اسلام کے تمام مکاتب فکر کی طرف سے مستند اور مصدقہ ہے کہ ایک دفعہ حسنین علیہ السلام بیمار ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر حضرت علی علیہ السلام، جناب فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا اور جناب فضہؓ نے تین روزے رکھنے کی منت مانی چنانچہ تندرست ہونے پر وہ روزے رکھے گئے۔ جب افطار کا وقت آیا تو ایک دن ایک سائل نے آواز دی: میں مسکین ہوں۔ سب نے وہ روٹیاں سائل کو دے دیں اور خود صرف پانی سے افطار کیا۔ دوسرے دن جب افطار کا وقت آیا تو کسی نے سوال کیا کہ میں یتیم ہوں، چنانچہ سب روٹیاں اُسے دی دی گئیں اور روزہ پانی سے افطار کیا، تیسرے دن ایک سائل نے آواز دی: میں قیدی ہوں، سب روٹیاں اُسے دے دی

Presented by Ziaraat.com

گئیں۔ چوتھے دن منت پوری ہونے پر حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند حضرت حسین علیہ السلام کو لے کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے گریہ فرمایا اور اتنے میں جبرائیل علیہ السلام یہ سورہ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا کے ساتھ نازل ہو گئے۔ یہ سب آیات انہی کی شان میں نازل ہوئی ہیں جن میں اُن کے لیے مختص تمام نعمتوں کا ذکر ہے۔ سورۂ پاک کی تنزیل میں ایک خاص لطافت ہے چونکہ اس سورہ میں فاطمۃ الزہرا سیدۃ النساء للعالمین سارے عمل میں محور تھیں۔ اس لیے پورے سورہ میں نعمتوں کے باب میں حوروں کا کہیں ذکر نہیں ہے کیونکہ کنیزِ خدا کے ذکر کے ساتھ حوروں کا ذکر مناسب نہ تھا۔

اسی طرح قرآنِ حکیم میں جہاں جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے وہاں سونے کے کنگن یا دیگر زیورات کا ذکر ہے۔ مگر اس سورہ میں بار بار چاندی کا ذکر ہے جو شاید جناب فضہؑ کی مناسبت سے ہے کہ وہ بھی عصمت و طہارت کی ملکہ کی کنیز تھی اور پورے عمل میں اُن کے ساتھ تھی۔ یہاں یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو کس عزت و مرتبت سے نوازا۔ یہ بھی عیاں ہے کہ وہ مخصوص بندے بھی عام انسانوں کی طرح تخلیقی مراحل سے گزارے گئے اور درجات کی بلندی پر فائز کر کے دیگر مخلوقات سے انسانی عظمت کا لوہا منوایا گیا۔

جیسا کہ فرمانِ خداوندی کے مطابق ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے لیے کائنات کو مسخر کیا۔ کائنات ان کے تصرف میں دے دی۔ نسلِ انسانی چلتی رہی اور وقت کی حاجت کے مطابق اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ایسے انسان چنتا ہے جو صاحبانِ تقویٰ تھے اور ہدایت پر تھے۔ انبیاء و مرسلین اور آئمہ کہلائے اور ان ہی میں مسلمین، مومنین، عابدین، شاکرین، صابرین، صالحین اور شاہدین، (شہداء) ہوئے اور مقام نفسِ مطمئنہ پر فائز ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسے ہی جلیل القدر انسان تھے۔

Presented by Ziaraat.com

ان کی اولاد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جو کہ ذبیح اللہ کے منصب پر فائز تھے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام بھی نبوت کی منزلت پر متمکن تھے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سلسلۂ نبوت اولادِ ابراہیمؑ کی اسی شاخ سے متعلق رہا جبکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے سلسلۂ صالحین قائم ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اسی سلسلہ کی مرکزیت و محوریت رہی تا آنکہ جناب ہاشم جد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و امیر المومنین کا دور آیا۔ آپ اُس وقت کے ہر اعتبار سے بلند قامت انسان گردانے گئے۔ جناب عبدلمطلب ایسے عظیم انسان کی توحید پرستی کا کیا کہنا کہ جس نے تخلیقِ انسانی میں چھپی ہوئی خدائی عظمت کا یہ کہہ کر اعلان کیا کہ اے ابرہہ! جس کا کعبہ ہے وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ مگر بدقسمتی سے ابرہہ اس کے اندر کی مخفی حقیقت کو نہ سمجھ سکا اور اپنی طاقت کے نشے میں چُور حملہ آور ہوا اور اپنے ہاتھیوں سمیت کمزور اور ننھے پرندوں کی تاب نہ لا سکا اور سب کچھ کھائے ہوئے بھوسے کی مانند ہو گیا۔

صالحین کے سلسلہ طہارت میں اگلا نام جناب حضرت ابو طالب علیہ السلام کا ہے جنھوں نے خود کو اپنے کردار و عمل سے رسالت کے آخری تاجدار کا مربی، محسن اور کفیل ثابت کیا۔ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین (اسلام) کی اشاعت میں رسولؐ خدا کے مدد و معاون ہوئے اور ایسا وقت بھی آیا کہ شعب ابی طالب کی صعوبتیں برداشت کیں اور تائید نبوت میں کہا کہ اگر آپ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں تو میں پھر بھی دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اپنے بھتیجے اور رسولؐ خدا کی مدد سے باز نہ آؤں گا۔

یہی تو وہ انسانِ کامل تھا کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کے وقت جو خطبۂ نکاح پڑھا اُس کی ابتدا الحمد اللہ سے کی۔ خطبے کے ابتدائی کلمات کو حضور رب العزت میں پسندیدگی کا وہ مقام ملا کہ آج ہم قرآن کی تلاوت سورۂ فاتحہ

Presented by Ziaraat.com

سے کرتے ہیں اور اسی سے نماز کا آغاز کرتے ہیں۔

ایک صالح انسان کا منصب و مقام دیکھیے۔ لوحِ محفوظ میں تحریر تخلی کا ذکر اُس کی زبان پر ہے۔ حضرت ابوطالبؑ کا مقام و مرتبہ خدا کے نزدیک کیا ہے۔ کیا الحمد للہ کے الفاظ آپ نے وراثتاً پائے تھے؟ اگر ایسا ہے تو جناب ابوطالبؑ اور اُن کے خاندان کی عظمت کا کیا کہنا۔ یہ تو ان کی خدا شناسی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ الفاظ آپ کو الہامی کیفیت میں عطا ہوئے تو پھر اُن کے دینِ ابراہیمی پر ہونے کی دلالت اور وکالت کرتے ہیں اور اُن کا شمار اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں میں سے چنے گئے انسان کی حیثیت میں سامنے آتا ہے۔

پارہ ۳۰، سورۂ فجر، آیت ۱۵:

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ

"پس رہا انسان تو جب اُس کے پروردگار نے اُسے آزمایا تو اُسے عزت دی اور نعمت دی۔ پھر وہ کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھے عزت دی"۔

اللہ تعالیٰ نے آزمائش کو عزت، نعمت اور سربلندی کی شرط قرار دیا ہے۔ اگر تاریخ انسانی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس امر کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہر بندے کو ایک خاص معیار کے ساتھ آزمائش سے گزرنا پڑا۔ جتنی بڑی آزمائش کامیابی پر اُتنا بڑا انعام۔ ایک انسان صرف کامل انسان ہی نہیں انسانوں کا امام بن جاتا ہے۔ علی ہذ القیاس یہ سلسلہ آدم علیہ السلام تا ہنوز اور تا ابد خدا کی منشا کے مطابق جاری رہے گا جبکہ اس آزمائش کی آخری معراج ہوچکی بالکل ایسے ہی جیسے اللہ تعالیٰ کے حبیب و محبوب آخری رسول خاتم النبیینؐ آچکے۔

Presented by Ziaraat.com

سلسلۂ نبوت و رسالت تمام ہو چکا۔ زمانہ امامت رواں دواں ہے۔ رہتی دنیا میں انسان آتے رہیں گے مگر کوئی رسول نہیں آسکتا۔ بعینہ آزمائش کو معراج دینے والا انسان نفسِ مطمئنہ کرب وبلا میں اس سے کیسے گزرا؟ یہ ایسی سچائی ہے جس کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے:

يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ

"اے اطمینان پانے والے نفس! تو اپنے پروردگار کی طرف پلٹ آ۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں آجا"۔

تفسیر صافی، ص ۵۲۹ پر بحوالہ کافی لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا مومن کو اپنی روح کا قبض ہونا ناگوار گزرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "لَا وَاللّٰہِ" نہیں خدا کی قسم جب اُس کے پاس ملک الموت اس غرض سے آتا ہے کہ اُس کی روح قبض کرے تو مومن اُس وقت پریشان ہو جاتا ہے۔

ملک الموت اسے کہتا ہے: اے خدا کے ولی! پریشان نہ ہو۔ اُس کی قسم جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اگر تیرا رحم دل باپ اس وقت موجود ہوتا تو جتنی مہربانی اور شفقت وہ تجھ پر کرتا میں اُس سے زیادہ مہربان اور شفیق ہوں۔ اپنی دونوں آنکھیں کھول اور دیکھ۔

حضرتؑ فرماتے ہیں: اُس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام، جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا، جناب امام حسن علیہ السلام اور جناب امام حسین علیہ السلام اور سب اہلِ بیت علیہم السلام جو ان کی اولاد میں سے ہیں، کی صورتیں اُس کے سامنے کر دی جائیں گی اور اُس سے کہا جائے گا کہ یہ رسولؐ خدا ہیں، یہ جناب امیر المومنین علیہ السلام ہیں

Presented by Ziaraat.com

اور یہ سب اہلِ بیتِ رسولؐ تیرے رفیق ہیں۔ پس وہ آنکھیں کھول کر دیکھے گا اور ایک منادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی روح کو ندا دے کر کہے گا: یَا اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ''اے وہ نفس جو محمد ﷺ اور اہلِ بیت محمدؐ کے سبب مطمئن ہو چکا''۔ اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً تو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کر اس حال میں کہ تو اس پر راضی ہے۔ مَرْضِیَّۃً وہ تجھ پر راضی ہے۔ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ تو میرے بندوں یعنی محمدؐ و اہلِ بیتِ محمدؐ میں داخل ہو جا وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ اور تو میری جنت میں آ جا۔

پس اُسے کوئی چیز اپنی روح کے قبض ہونے سے پیاری نہیں لگے گی۔ اُس کی خواہش ہوگی کہ اُس کی روح قبض ہو اور اُس ندا دینے والے سے جا ملے۔

شہیدِ عظیم نے نفسِ مطمئنہ کی تعیین سے جو پیغام دیا ہے اُس کو سمجھنا ہر انسان کے لیے ضروری ہے اور وہ پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مخلوق کا کیا تعلق ہے بالخصوص اللہ تعالیٰ سے بندے کا کیا تعلق ہے۔ خالق اور مخلوق کے درمیان قائم تعلق کو جاننے کا نام علم ہے اور یہی وہ علم ہے جس سے انسان اشرف المخلوقات ہے۔

سرِ اقدسِ نبوت پہ علیؑ تاجِ ولایت ہے
محمدؐ کی زباں پر فاطمہؑ مہرِ صداقت ہے
حسنؑ ختمِ رُسل کی سر تا پا شانِ امامت ہے
غرض ہر ایک محمدؐ ہے محمدؐ کی کرامت ہے
مگر اس شرف رفعت میں حسینؑ اتنا نمایاں ہے
ولایت کا صداقت کا نبوت کا نگہباں ہے

Presented by Ziaraat.com

اٹھارھواں باب

سافلین

تخلیقِ آدمؑ (انسان) اور پھر انسان کی منصب خلافت کے لیے نامزدگی پر ایک بہت بڑا سانحہ پیش آیا۔ ابلیس نے آدمؑ کے لیے سجدہ سے انکار کر کے اعلانِ بغاوت کر دیا۔ اور جسے وہ مانتا تھا اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ رجیم اور مردود ہو گیا اور آدمؑ و حوا اور اُن کی نسل سے کھلم کھلا دشمنی کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور کہنے لگا کہ میں (ابلیس) جانتا ہوں کہ تو عادل ہے تو میرے اب تک کے زہد اور عبادات کو ضائع نہ کرے گا۔ مجھے اس کا بدل دے اور ایک معلوم وقت تک کے لیے مہلت مانگ لی گئی۔

قَالَ اَنظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ

"وہ بولا مجھے اُس دن تک مہلت دے جبکہ لوگ اٹھائے جائیں گے"۔

تفسیر صافی، ص ۱۶۹ پر ہے کہ مہلت تو دی گئی مگر جتنے عرصے کے لیے مانگی گئی، اُتنے عرصے کے لیے نہیں دی گئی۔ کیونکہ قرآنِ حکیم میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ، یعنی معلوم وقت تک کی مہلت دی گئی۔

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "ابلیس کو مہلت اُس دن تک دی گئی جس دن قائم آلِ محمدؐ ظاہر ہوں گے"۔

پھر ابلیس نے کہا: اے اللہ تعالیٰ! تُو نے مجھے نا امید کر دیا اور میں بھی

Presented by Ziaraat.com

تیرے سیدھے راستے پر ان سب کے لیے بیٹھوں گا۔ پھر اُن کے پاس ان کے آگے سے، اُن کے پیچھے سے، اُن کے دائیں اور اُن کے بائیں سے ضرور آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے راندۂ درگاہ کر دیا۔

آدمؑ و حواؑ جنت میں مقیم تھے۔ وسوسۂ شیطان میں آ کر دھوکا کھا گئے۔ اُنھوں نے درخت کے پھل کا ذائقہ چکھا اور دونوں پر ایک دوسرے کے ستر کھل گئے اور اپنے آپ کو پتوں سے ڈھانپنے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَقُلْ لَّكُمَا اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ

"اور میں نے تم دونوں سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے"۔

لہٰذا آدمؑ و حواؑ کو زمین پر اُتار دیا اور فرمایا: "تم میں سے بعض بعضوں کے دشمن رہیں گے اور تمھیں ایک مقررہ وقت تک زمین پر رہنا ہے"۔ قرآن حکیم میں پارہ ۳۰ سورۃ التین میں ارشاد ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ

"یقیناً ہم نے انسان کو بہت اچھی تقویم میں پیدا کیا"۔

تقویم اپنے اندر ایک جامعیت رکھتی ہے یعنی جس مقصد کے لیے انسان کو پیدا کیا اُس کے تمام متعلقہ اُمور سے لے کر انسانی وجود کی ساخت اور خدوخال تک کو ایک انداز اور ایک خوب صورتی عطا کی اور پھر اُسے کردار و عمل کے مطابق شرافت اور عظمت دی اور اگر اُس نے اپنے اس مقام سے ہٹنا چاہا یعنی پستی اور ذلت کی طرف لوٹنا چاہا تو اُسے ذلیل سے ذلیل حالت کی طرف لوٹا دیا ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ یہی حقیقت سورۃ العصر پارہ ۳۰ میں بیان کی ہے کہ:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا

Presented by Ziaraat.com

الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

"قسم ہے عصر کی انسان گھاٹے میں ہے۔ سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور صالح عمل کرتے ہیں اور حق کی وصیت اور صبر کی وصیت (تلقین) کرتے ہیں"۔

اُس شخص کے گھاٹے کی بات کی گئی ہے جو ایمان، عملِ صالح اور حق و صبر سے گریزاں ہے اور اس کے نامۂ اعمال میں بدعملی کے سوا کچھ نہیں۔ حالانکہ یہ بات اُس کے علم میں لائی گئی تھی۔

پارہ ۲۲، سورۂ فاطر، آیت ۱۵ میں فرمانِ خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

"اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز، قابلِ حمد ہے"۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت اور اختیار میں ہے جبکہ تم ایک مخلوق ہونے کے سبب اُسی کے بندے اور محتاج ہو۔ اُس پاک ذات نے تمہاری خوشی کے لیے تمہیں بیش بہا نعمتیں عطا کیں اور دنیا کو تمہارے لیے آسان بنایا مگر تم نے اس محتاجی کے باوصف ناشکری کی اور خالق و مخلوق کے درمیان حقیقت کے جاننے سے قاصر رہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ سے وفا اقرارِ بندگی ہے اور اظہارِ لا الٰہ الا اللہ ہے۔

مولانا جلال الدین رومی اپنی مثنوی رومی میں لکھتے ہیں کہ ہرات کے علاقہ وائی کابل کی طرف عماد الملک بحیثیت نواب حکمران تھا اور بادشاہ کا انتہائی

Presented by Ziaraat.com

قابل اعتماد ساتھی تھیں۔ عماد الملک پورے شکوہ و تمکنت کے ساتھ کار حکمرانی سر انجام دے رہا تھا۔ اُس کے پانچ سو خرید کردہ غلاموں کا ایک لشکر تھا۔ اِن غلاموں کے لیے تمام آسائشیں موجود تھی۔ اُن غلاموں کے گلے میں سونے کے طوق تھے، ریشم و کمخواب کے لباس تھے۔ عالی شان رہائشیں تھیں اور اختیار کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے آقا عماد الملک کے لیے اس کی ریاست کے اندر انتظام و انصرام پر نگران تھے۔ ایک دن ایک شخص جو بھوک سے نڈھال اور سردی سے ٹھٹھر رہا تھا اُس کی نظر اُس شاہی غلام پر پڑی۔ اُس نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ بتانے والے نے کہا کہ یہ نواب عماد الملک کا غلام ہے، نوکر چاکر ہیں۔ یہ سُن کر وہ حیران رہ گیا اور آسمان کی طرف مُنہ کر کے کہنے لگا کہ اے خدا اپنے اس بے نوا دبلے پتلے بندے کو دیکھ کہ سردی کے مارے دانت بجتے ہیں اور بھوک سے لاغر اور نڈھال ہے اور عماد الملک بندہ پرور کے بندوں کو دیکھ کہ کیسے موٹے تازے خوش پوش اور با احتشام ہیں۔ خوشی بے فکری اور فارغ البالی سے ادھر اُدھر اِتراتے پھرتے ہیں۔ یا اللہ بندہ پروری عماد الملک سے سیکھ (نعوذ باللہ) خالق اور مالک ہونا اور بات ہے مگر بندہ پرور ہونا آسان نہیں ہے۔

تقدیرِ الٰہی سے عماد الملک کے عروج کا ستارہ زوال پذیر ہو گیا، بادشاہ کا اعتماد بوجوہ اُس سے اٹھ گیا۔ بادشاہ نے اُس کو قید کر لیا۔ اُس کے اموال و املاک کو ضبط کر لیا۔ اُس کے وفادار غلاموں کو شکنجوں میں دے کر مار ڈالا۔ صرف اس خطا پر کہ وہ اپنے آقا کا بھید کیوں ظاہر نہیں کرتے۔ اور کیوں نہیں بتاتے کہ اُس کا دفینہ اور خزینہ کہاں کہاں ہے۔ غلاموں نے بڑے کرب اور درد سے تڑپ تڑپ کر جانیں دے دیں۔ مگر کسی ایک نے بھی اپنے مہربان اور پیارے آقا کے دفینوں کا راز نہ بتایا۔

یہ سب کچھ اُس منہ پھٹ فقیر کے سامنے ہوا۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر وہ

Presented by Ziaraat.com

بے ہوش ہو گیا۔ اُسی بے ہوشی کے عالم میں ہاتف نے اُس کے کان میں آواز دی کہ اے خدا پر طعنہ کرنے والے غلاموں کی وفاداری دیکھ اور سوچ کہ تو جس کا بندہ کہلاتا ہے کہ کیا تو بھی اُس کا ایسا ہی جاں نثار اور وفادار ہے؟ لیکن تُو تو ناشکر گزاروں میں ہو گیا۔

پارہ ۳۰، سورۂ فجر میں ارشاد ہے:

وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ

"اور جب اُسے آزمایا تو اُس پر اُس کی روزی تنگ کر دی پھر وہ کہتا ہے میرے پروردگار نے میری اہانت کی"۔

تفسیر صافی، ص ۵۲۹ پر ہے کہ انسان کی یہ دو باتیں رَبِّیْٓ اَکْرَمَنِ اور رَبِّیْٓ اَهَانَنِ کہنے پر اللہ تعالیٰ نے اُس کی مذمت اس لیے کی کہ وہ بغیر سوچے سمجھے ایسا کہہ دیتا ہے ورنہ سوچنے اور فکر کرنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کبھی کبھی رزق کی تنگی دونوں جہانوں کی خوبیوں کو پہنچا دیتی ہے اور رزق کی زیادتی دشمنوں کا نشانہ بنا دیتی ہے اور دنیا کی محبت میں لہو و لعب اور گناہوں میں دھکیل دیتی ہے۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر پارہ ۳۰، سورۂ انفطار، آیت ۶ میں ارشاد ہے:

يَآ اَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ

"اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے صاحبِ کرم پروردگار کے متعلق دھوکا دیا، جس نے تجھے پیدا کیا پھر تجھے درست کیا اور پھر تجھے اعتدال دیا"۔

تفسیر صافی، ص ۵۲۴ پر بحوالہ تفسیر مجمع البیان منقول ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ انسان کو اُس کی جہالت نے

Presented by Ziaraat.com

دھوکا دیا انسان کم از کم اپنے وجود کی ترکیب و ترتیب پر ہی غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے کس خوب صورت چہرے اور اعضاء و جوارح کے ساتھ اُسے پیدا کیا؟ باقی نعمتوں کو چھوڑیے صرف یہی بات سمجھ لے تو جہالت کے اندھیروں سے نکل آئے گا۔ اور اُس کے بعد اُس کے لیے روشنی ہی روشنی ہوگی اور وہ اللہ تعالیٰ کے وفادار بندوں میں آ جائے گا۔ اُس کا شمار نیک بندوں میں ہوگا اور نیک لوگوں کے لیے ہی جنت کی نعمتیں ہیں۔ لیکن کیا کیا جائے؟

پارہ ۲۹، سورۂ معارج، آیت ۱۹ میں ارشاد ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا

"یقیناً انسان سخت حریص پیدا کیا گیا۔ جب اُسے تکلیف چھو گئی تو بڑا گھبرانے والا ہے اور جب اُسے کوئی اچھا مال مل گیا تو بڑا روکنے والا ہے"۔

یعنی انسان بے صبری و حرص میں مال سمیٹنے والا ہے۔ اور ذرا سی تکلیف میں بلبلا اُٹھنے والا ہے۔ مگر ایسے لوگ جو نمازیں پڑھتے ہیں اور اپنی نمازوں پر قائم رہنے والے ہیں اور وہ لوگ جن کے مالوں میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں کا ایک مقرر حق ہے اور اپنی زندگیوں کو وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ کے تابع رکھتے ہیں۔ کامیاب ہیں اور فلاح پانے والے ہیں اور حریص بے صبر اور مال کو روکنے والے بُرے انجام سے دوچار ہوں گے۔ دنیا میں یہ لوگ مال و منال کی محبت میں ظلم میں اس قدر آگے نکل جاتے ہیں کہ واپسی ممکن نہیں رہتی ہے۔

فرمانِ خداوندی ہے: پارہ ۲۵، سورۂ شوریٰ، آیت ۴۲:

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي

Presented by Ziaraat.com

الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

"ماسوا اس کے نہیں کہ الزام کی راہ اُن لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق بغاوت کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں کہ اُن کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

جب اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر گمراہی کا حکم لگا دیتا ہے تو اُس کے بعد اُن کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا۔ اور وہ عذاب دیکھ کر پوچھتے ہیں کہ دُنیا میں واپس لوٹ جانے کی کوئی راہ ہے؟ مگر اُس وقت ایسا ممکن نہ ہوگا۔ یہ جو روز جزاء (سزا و جزاء) کا معاملہ ہے یہ بے خبری میں نہیں بلکہ اس سے آگاہ کر دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

پارہ ۲۱، سورۂ روم، آیت ۹، ۸:

وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ

"حالانکہ (یقیناً) انسانوں میں سے اکثر اپنے پروردگار کی حضوری (ملاقات) کے منکر ہیں"۔

کیا انھوں نے اپنے سے پہلے لوگوں کو دیکھا اور سنا نہیں جو اُن سے قوت میں زیادہ تھے اور ہر طرح سے آباد اور خوش حال تھے مگر حق کا انکار کرتے تھے۔ آخر اپنے کیے کی سزا پائی۔ فرمانِ خداوندی ہے:

فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

"پس اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ اُن پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنے آپ پر خود ہی ظلم کیا کرتے تھے"۔

تفسیر صافی، ص ۳۸۸ پر ہے کہ ان پہلوں سے مراد قوم عاد اور قوم ثمود ہیں اور اُن کا روئے زمین پر غالب آنا یہ تھا کہ اُس کو کھود کھود کر کنویں اور چشمے نکالے

Presented by Ziaraat.com

تھے۔ نہریں جاری کر لی تھیں اور طرح طرح کے تخم بو کر باغ اور کھیت قائم کر لیے تھے اور زمین سے معدنیات کی کانیں نکالی تھیں اور مضبوط عمارتیں تعمیر کر لی تھیں۔ یہ اشارہ اہلِ مکہ کے لیے ہے کہ وہ تو تم سے آبادی اور تعمیرات کی شان و شوکت میں تم سے زیادہ تھے اور اہلِ مکہ تو ایسی آبادی کے رہنے والے ہیں جہاں کھیتی کا نام و نشان تک نہیں اور زیادہ پھیلنے کی گنجائش بھی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ باوجود ایسی پست حالت ہونے کے یہ اپنی دنیا پر مغرور ہیں اور ہمارے رسول ﷺ کے مقابلے میں شیخی کرتے ہیں۔

انسانی پستی کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ پارہ ۲۱، سورۃ الروم، آیت ۵۸، ۵۹ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ○ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ○

"اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں (انسانوں) کے لیے ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے اور اگر تم اُن کے پاس کوئی نشانی بھی لائے تو جو لوگ کافر ہو گئے وہ ضرور کہیں گے کہ تم نہیں مگر باطل کوش (جھوٹ بولنے کی کوشش کرنے والا) جو لوگ علم نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر اسی طرح نشان چھاپ دیتا ہے۔ پس تو صبر کر اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ تمہیں سبک نہ کریں"۔

Presented by Ziaraat.com

تفسیر صافی، ص ۳۹۲ پر ہے کہ کفار مکہ چونکہ شک کرنے والے گمراہ ہیں اُن سے کچھ بعید نہیں کہ وہ آپؐ کو تکلیف دیں مگر آپؐ کو غصہ نہیں آنا چاہیے۔ تفسیر قمی میں ہے کہ اُن کی یہ حرکتیں آپؐ کو غضب ناک نہ کریں کیونکہ ہم نے تو آپؐ کو صرف ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

پارہ ۲۲، سورۂ سبا، آیت ۲۸:

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

"اور نہیں بھیجا ہم نے تمھیں مگر کل لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا لیکن اکثر انسان (لوگ) نہیں جانتے ہیں"۔

تفسیر صافی، ص ۴۱۲ پر بحوالہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیائے سابق یعنی حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو شریعتیں عطا کیں یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کل انسانوں، کالے، گورے غرض جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔

"جو لوگ نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ وہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ اے رسولؐ کہہ دو کہ تمھارے لیے وعدہ کا ایک دن مقرر ہے تم اس سے نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکو گے اور نہ آگے بڑھ سکو گے"۔

اس وقت جب یہ ظالم اپنے پروردگار کے حضور کھڑے کیے جائیں گے تو ایک دوسرے سے کہے گا (یعنی کمزور بڑوں سے) کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہو جاتے۔

Presented by Ziaraat.com

اس ساری سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے:

پارہ ۱۱ سورۂ یونس، آیت ۱۱:

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ

"جس طرح لوگ بھلائی کو جلدی مانگتے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نقصان پہنچانے میں جلدی کرتا تو اُن کی میعاد اُن تک کبھی کی پوری کر دی گئی ہوتی۔ پس ہم اُن لوگوں کو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، ہم اُن کو چھوڑے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں"۔

اور یہ کیوں نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اگر کچھ سختی پہنچائے تو کوئی اُسے دور کرنے والا نہیں اور اگر کچھ بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

آیت نمبر ۲۴، سورۂ یونس میں ارشاد ہے:

إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

"اے لوگو! سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمھاری بغاوت تمھاری اپنی جانوں پر ہی ہے۔ یہ دنیا کی زندگانی کا عارضی فائدہ ہے۔ پھر تمھاری بازگشت ہماری طرف ہوگی۔ پھر جو کچھ عمل تم کیا کرتے تھے ہم تمھیں بتلا دیں گے"۔

تفسیر صافی، ص ۲۲۲ پر ہے کہ تمھاری بغاوت کا وبال تم پر اور تمھارے اپنائے نفس پر اور جو تمھارے مانند ہیں اُن پر پڑے گا۔

Presented by Ziaraat.com

تفسیر عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اُن کا وبال اُن کے کرنے والے پر پڑتا ہے:

① عہد یا بیعت توڑنا۔

② حاکمِ دین و دنیا کے مقابلے میں بغاوت کرنا۔

③ خفیہ چال چلنا۔

ایسے باغی اور سرکش انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے: ''اے رسولؐ! کہہ دو کہ اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے حق آ چکا ہے۔ پس جو ہدایت اختیار کر لیتا ہے تو وہ صرف اپنے ہی نفس کے لیے اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہو جاتا ہے وہ صرف اپنے ہی نفس کے وبال کے لیے گمراہ ہوتا ہے اور میں تم پر نگران نہیں ہوں''۔

عجیب بات ہے انسانی کجی کا یہ عالم ہے کہ اپنی پیدائش کی حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اُسے نہ ہونے سے ہونے تک کا مقام بخشا۔ کوئی ایسی نعمت نہیں جو اس کے لیے نہ بنائی ہو اور اس کا حصول اُس کے لیے آسان کر دیا ہے۔ پھر بھی اُسے کسی نعمت سے محروم کیا ہو یا تنگ دستی سے دو چار کیا ہو تو نصیحت پکڑنے کی بجائے مزید سرکشی کرتا ہے۔

پارہ ۱۳، سورۂ ابراہیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ یہ کتاب ہم نے اس لیے اُتاری ہے تاکہ تم لوگوں کو پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکال کر زبردست لائقِ حمد اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف لے جاؤ۔

جو لوگ دنیا کی زندگانی سے آخرت کی زندگی سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور اُس میں کجی ڈھونڈتے ہیں یہ لوگ دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں۔ اور وہ عذاب کے مستحق ہیں اور اسی عذاب کی وجہ سے

Presented by Ziaraat.com

اُن کے لیے خرابی ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم انسانیت سے بھٹکی اور رسولوں کو جھٹلایا۔ قوم عاد، قوم ثمود اور اَصْحَابُ الرَّسِّ ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا، جنھوں نے اپنی تخلیق کے الٰہی مقصد سے رُوگردانی کی اور ذلت کا رستہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسے ہلاک کیا جیسے ہلاک کرنے کا حق ہے اور انھیں آئندہ کے لیے انسانوں کے مثال بنا دیا۔

پارہ ۳۰، سورۂ بلد، آیت ۴، ۵:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِی کَبَدٍ اَیَحْسَبُ اَنْ لَنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ

''یقیناً ہم نے انسانوں کو دشواری میں پیدا کیا۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قابو نہ پائے گا''۔

ہم نے اُسے دو راستوں کی طرف راہنمائی کی۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اُن پر ہر طرف سے بند کی ہوئی آگ ہوگی۔ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ''کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مہمل ہی چھوڑ دیا جائے گا''۔

یہ کیسا انسان ہے کہ کسی بات پر یقین ہی نہیں کرتا۔ بلکہ انسان جانتا ہے کہ اپنے آگے بدی ہی کرتا ہے اور وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا۔ اسے کیا خبر قیامت کے دن اُس کے لیے ہرگز کوئی پناہ نہ ہوگی اور بالآخر اللہ تعالیٰ کے حضور ہی جائے قرار ہوگی۔ اُس دن انسان کو بتایا جائے جو کچھ اُس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا بلکہ انسان اپنے نفس کا بڑا دیکھنے والا ہے۔

تفسیر صافی، ص ۵۱۷ پر ہے کہ انسان اپنے اعمال پر خود ایک مبینہ حجت ہے کیوں کہ وہ اپنے اعمال کو دیکھنے والا ہوتا ہے۔ پس چونکہ اُس کی آنکھ اُس کے اعمال کو خود دیکھتی ہے اس لیے وہ خبر سننے کا محتاج نہیں ہوتا۔

Presented by Ziaraat.com

کافی اور تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی نیکی کو تو ظاہر کرتا ہے اور برائی کو چھپاتا ہے کیا ایسا نہیں ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے تو خوب سمجھتا ہے کہ جیسا میں ظاہر کر رہا ہوں میں ایسا نہیں ہوں۔ جب باطن کی اصلاح ہو جاتی ہے تو ظاہر پر اُس کا اثر پڑتا ہے۔

پس اس نتیجہ پر پہنچنے میں انتہائی آسانی میسر آ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق انسان کو ہیئتِ ترکیبی کے اعتبار سے اور اس کے ظاہر و باطن کی کیفیت کے حوالے سے مکمل طور پر جانتا ہے۔ خالق نے اُسے کائنات میں ایک مثالی حیثیت عطا کی پھر تمیز خیر و شر دی اُس کی ہدایت کے لیے اپنے برگزیدہ بندوں کو مبعوث فرمایا اور ساتھ ساتھ اپنے بندوں کی دُکھوں اور سُکھوں کی کیفیات میں رکھ کر آزمائش کی۔

روئے ارض پر آدم علیہ السلام پہلے خلیفہ خدا تھے۔ آدم علیہ السلام نبی تھے۔ صاحب شریعت نہ تھے کیونکہ آبادی ہی نہ تھی، صاحب صحیفہ تھے۔ آدمؑ کی اولاد میں پہلی بغاوت ہوئی۔ وہ بغاوت انسانی حشمت کے خلاف تھی اور بالواسطہ خدا کے خلاف بغاوت تھی۔ قابیل نے حضرت ہابیل علیہ السلام کو قتل کر دیا یوں کرۂ ارض پر پہلا انسانی قتل ہوا۔ شیطان تو انسان کا دشمن تھا ہی اب انسان بھی انسان کا دشمن بن گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ سے دوری اختیار کرنے اور شیطان کی اتباع کرنے والا گروہ وجود میں آ گیا۔

پارہ ۶، سورۂ مائدہ، آیت ۳۲، فرمانِ رب ذوالجلال ہے:

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا

"جو شخص کسی جان کو کسی جان کے بدلے کے بغیر قتل کر دے یا

Presented by Ziaraat.com

زمین میں فساد کرے وہ ایسا ہے جیسا کہ اُس نے سارے
انسانوں (انسانیت) کو قتل کر ڈالا اور جس شخص نے ایک جان
(انسان) کو زندہ کر دیا پس وہ ایسا ہے جیسا کہ اُس نے
سارے انسانوں (انسانیت) کو زندہ کر دیا"۔

تفسیر صافی، ص ۱۳۴ بحوالہ تفسیر عیاشی اور من لا یحضرہ الفقیہ، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس میں کل انسانوں کو قتل کرنے والا بھی داخل کیا جائے گا اور ایک انسان کا قتل کرنے والا بھی۔

تفسیر صافی، ص ۱۳۴ پر بھی بحوالہ تفسیر قمی لکھا ہے کہ جو شخص کسی کو جلنے، ڈوبنے، عمارت کے نیچے دب جانے یا کسی درندہ سے پھاڑے جانے سے بچائے یا اُس کے اخراجات کی کفالت کر کے اُسے مستغنی کر دے یا فقر کی حالت سے اُسے غنا کے درجے تک پہنچا دے اور سب سے افضل یہ کہ اُسے گمراہی سے راہ راست پر لے آئے تو ان سب حالتوں میں یہ ہی سمجھا جائے گا کہ اُس نے سب آدمیوں (پوری انسانیت) کے ساتھ ہی ایسا کیا ہے۔

نیز اسی ضمن میں سورۂ مائدہ کی آیت ۳۳ میں ایسے لوگ جو قتل جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں اُن کی سزا کا ذکر ہے۔

تفسیر صافی، ص ۱۳۴ پر بحوالہ کافی و تفسیر عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بنی ضبہ کا ایک گروہ بیمار ہو کر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم ہمارے پاس ٹھہرو، جب تم تندرست ہو جاؤ گے تو تمھیں جہاد پر بھیجیں گے۔ انھوں نے عرض کی ہمیں مدینہ سے باہر بھیج دیجیے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں وہاں بھیج دیا جہاں صدقے کے اُونٹوں کا گلہ تھا۔ وہاں اُن کا پیشاب بطور دوا اور اُن کا دودھ بطور غذا پیا۔ جب تندرست ہوئے

Presented by Ziaraat.com

اور قوت آ گئی تو گلہ کے محافظوں میں سے تین کو قتل کیا اور اونٹوں کو لے کر چلتے بنے۔ جب اس بات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو اُن کے پیچھے بھیجا۔ یہ باغی یمن کی سرزمین کے قریب ایک وادی میں راستہ بھول گئے اور اُس سے باہر نہ نکل سکے۔ حضرت علی علیہ السلام نے انھیں جا کر گرفتار کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کر دیا، جن کی سزا کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاتھ بروئے حکم خداوند کٹوا دیے اس طرح کہ ایک ایک ہاتھ اور اُس کے خلاف کا ایک ایک پاؤں:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ

"ما سوا اس کے نہیں ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں اُن کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی دے دیے جائیں یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹے جائیں یا انھیں وطن بدر کر دیا جائے یہ اُن کے لیے دُنیا میں ذلت ہے اور قیامت میں انھیں بہت بڑا عذاب ہوگا"۔ (مائدہ: ۳۳)

مذکرہ آیات سے تین بیان کیے گئے واقعے میں بالکل ایسے ہی لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو انحراف اور ارتداد کرتے ہیں۔

پارہ ۵، سورۂ نساء، آیت ۱۰۵:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

Presented by Ziaraat.com

بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا

"بے شک ہم نے تیری طرف کتاب (قرآن مجید) حق کے ساتھ نازل کی ہے تا کہ جو کچھ تجھے اللہ نے سمجھایا اس کے ساتھ فیصلہ کرو اور تم خیانت کرنے والوں کے لیے جھگڑا کرنے والے نہ بنو"۔

تفسیر صافی، ص ۱۲۰ پر بحوالہ کافی حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے سوا لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا سپرد نہیں فرمایا۔ اس کے بعد امامؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ اور فرمایا کہ اس آیت کا حکم اوصیاء میں بھی جاری ہے۔

چونکہ فیصلہ کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سمجھایا) فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے سکھایا میں نے وہ سارے کا سارا علم اپنے بھائی علی علیہ السلام کو منتقل کر دیا اور جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے اپنے قول کے مطابق من عندہ علم الکتاب وہی ذات فیصل کی حیثیت کے مختار ہیں۔ اور آپ علیہ السلام کے بعد آپ کے جانشین آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علم کے وارث ہیں۔

سورۂ نساء کی آیت ۱۰۸:

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا

"وہ لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے تو نہیں چھپ سکتے

Presented by Ziaraat.com

اور وہ تو اُن کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ جبکہ وہ راتوں کو اِن باتوں
کا مشورہ کرتے ہیں جو خدا کو پسند نہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو
اللہ تعالیٰ پر احاطہ کیے ہوئے ہے"۔

تفسیر صافی، ص ۱۲۱ پر بحوالہ کافی لکھا ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے فرمان یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد عبیدہ بن الجراح اور اُس کے ساتھی ہیں پس یہ سمجھنے کے لیے کہ ایسے لوگ جن کی اللہ تعالیٰ نے نشاندہی فرمائی ہے کہ اُن کے راتوں کے مشورے خدائے پاک کو ہرگز پسند نہیں۔ کیسے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے اہل ہو سکتے ہیں۔

سورۂ بقرہ، آیت ۸ میں ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا
هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ

"اور انسانوں (لوگوں) میں سے ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ
ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ مومن
نہیں ہیں"۔

علی بن ابراہیم جنید معتبر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی، جنھوں نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایمان ظاہر کیا اور جب مومنوں کے پاس آتے تو کہتے تھے کہ ہم لوگ تمھارے ساتھ ہیں اور جب کفار کے پاس جاتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم لوگ تمھارے ساتھ ہیں۔ مومنوں کے ساتھ ہم لوگ تمسخر اور مذاق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہ دیا کہ خدائے پاک اُن کے مسخرہ پن کی سزا اُن کو دے گا کہ وہ اپنی سرکشی پر سرگرداں ہیں۔

Presented by Ziaraat.com

ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا شخص جو کہتا ہے وہ اس کے مطابق ہوتا نہیں اور جو ہوتا ہے ایسا کہتا اور کرتا نہیں اور اللہ کو دھوکا دیتا ہے۔ ریاکاری، منافقت اور شرک کے زمرے میں آتی ہے۔ ایسے لوگ چار ناموں سے پکارے جائیں گے: ① کافر ② فاجر (بدکار) ③ غادر (بے وفا) ④ خاسر (گھاٹا اٹھانے والا)۔

زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اندر سے یعنی دل سے اسلام مخالف ہیں اور چھپ کر مشورہ کرتے والے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے خطاب فرمایا:

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

"اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ"۔

یعنی صاحب تقویٰ انسان ہی مسلمان و مومن ہے اور فسق و فجور شرک و منافقت سے مبرا ہے۔ نیز نماز ہو یا دیگر اعمال، اُن میں ریاکاری کرنے والے دکھاوا کرنے والوں پر ویل ہے۔

پارہ ۳۰، سورۃ ماعون، آیت ۴، ۵، ۶:

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ

"پس ایسے نمازیوں کے لیے ویل (خرابی) ہے جو اپنی نماز سے غفلت کرنے والے ہیں اور جو نماز کا دکھلاوا کرتے ہیں"۔

اور کچھ لوگ کھلم کھلا بغاوت اور سرکشی پر اتراتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے

Presented by Ziaraat.com

بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے:

وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا

"اور یقیناً ہم نے اُن کے درمیان اس (قرآن) کو پھیر پھیر کر بیان کیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ پھر بھی اکثر لوگوں نے ناشکری کے سوا ہر حکم ماننے سے انکار کر دیا"۔

ایسے انسانوں کے لیے فرمانِ حق تعالیٰ ہے:

وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي

"اور اُس دن جہنم کو بھی لایا جائے گا۔ اُس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اُس کے لیے نصیحت کہاں مفید ہوگی۔ وہ کہے گا: اے کاش کہ میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا"۔

عذاب دیکھ کر نصیحت پکڑنا معافی اور توبہ کے لیے مفید نہ ہوگا۔ توبہ وہی جو عذاب دیکھنے سے پہلے کی جائے۔ فرعون نے اُس وقت توبہ اور ایمان لانے کی بات کی جب وہ غرق ہو رہا تھا اس لیے اُسے کوئی رعایت اور مہلت نہ دی گئی۔

Presented by Ziaraat.com

انیسواں باب

سجدہ

بشر کو وجود عطا ہونے سے پہلے جنوں اور فرشتوں کا ہونا مسلّم ہے۔ دونوں مخلوقات کی تخلیق کا مقصد اُن پر عیاں کر دیا گیا۔ جنات کو خورد و نوش اور افزائشِ نسل سمیت تمام آسائشیں اور نعمتیں عطا کی گئیں اور اُن پر واضح کر دیا گیا کہ صرف اپنے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت کرو۔ کسی اور کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ بس صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے کوئی دوسرا معبود نہیں۔

فرشتوں کی جہاں اور ذمہ داریاں تھیں وہاں اُن کی اعلیٰ ترین ذمہ داری یہ تھی اور ہے کہ بس اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ البتہ اُن میں درجہ بندی کر دی گئی۔ کچھ قیام میں ہیں، کچھ رکوع میں ہیں، کچھ سجدہ میں ہیں تو کچھ تشہد میں ہیں۔ جو جہاں عبادت کی جس حالت میں ہے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔

فرشتے خورد و نوش اور افزائشِ نسل جیسی ضرورتوں سے مبرا ہیں۔ بایں ہمہ فرشتے نوری مخلوق ہیں۔ مگر قیام، رکوع، سجدہ، و تشہد کا انجام دینا وجود کا متقاضی ہے۔ اسی لیے یہ امر دلالت کرتا ہے کہ یہ بات مشیتِ ایزدی میں ہے کہ وہ نور کو جسم بھی عطا کر دے اور جب چاہے دنیا میں مبعوث فرمائے اور جب چاہے اُسے سدرۃ المنتہیٰ اور عرشِ اعلیٰ پر لے جائے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے بعض انسانوں کو فضیلت دی اور رسولوں میں سے بعض رسولوں کو فضیلت دی اُسی انداز میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کی

Presented by Ziaraat.com

بھی درجہ بندی فرمائی۔

تسبیح وتہلیل ، قیام وقعود، رکوع وسجدہ اور تشہد سب طرح سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مظاہر ہیں۔ اور ان سب میں سے اللہ تعالیٰ نے فضیلت ومرتبت میں سجدہ کو برتری عطا فرمائی۔ کیونکہ کسی بھی عابد کے لیے کمال عجز یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو عجز کے اُس مقام پر لاکر اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ کر اپنی عاجزی اور اپنے رب کی کبریائی کا اعتراف کرے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ عمل انتہائی پسندیدہ ہے۔ یقیناً یہی وہ مرحلہ تھا جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کا وجود عطا کیا پھر اُس میں اپنی روح پھونکی اور علم سے اُس کی تخلیق کی۔ فضیلت و بڑائی فرشتوں اور جنوں دونوں پر ثابت کی اور پھر انھیں حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرو۔ عجز کی انتہائی حالت اور عبادت کا اعلیٰ ترین رکن سجدہ جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ سب سجدہ ریز ہوگئے مگر ابلیس اپنے انکار کی وجہ سے رجیم و مردود ہو گیا۔ اور ہمیشہ کے لیے لعنت کا سزا وار ٹھہرایا گیا۔ جنھوں نے سجدہ کیا، مقام شرف پا گئے اور منکر ہمیشہ کے لیے لعنتی ہو گیا۔ سجدہ اعتراف معبودیت کی انتہائی عاجزی کی حالت ہے۔ اور اس میں خاص عقدہ ہے، ضروری ہے کہ عقدہ کشائی کی جائے۔

حالتِ سجدہ میں انسانی جسم کے ساتھ اعضاء، پیشانی۔ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے انگوٹھوں کو زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہونا واجب ہے۔ کسی ایک عضو کی زمین یا جائے نماز سے اُٹھ جانے پر نماز کی تکمیل میں کمی آ جاتی ہے، یا سجدہ نہیں ہوتا۔ عبادت کی اہم ترین اور حسین ترین حالت میں سات اعضاء کا عمل ہے۔ ایک رکعت میں دو سجدے ہیں۔ یوں ایک رکعت کے دو سجدوں میں سات اعضاء دو بار ادائیگی سجدہ میں روبہ عمل ہوئے اور بالکل سبعًا

Presented by Ziaraat.com

مِنَ الْمَثَانِیْ کی مانند چودہ اعضاء شمار میں آئے جو چہاردہ معصومینؑ کی حقانیت کی دلیل ہے۔ اور چودہ کا جمل صغیر پانچ ہے اور تابع رکعت کو چھوڑ دیا جائے تو ابتدائی دو رکعت میں ہر ایک رکعت میں چودہ اعضاء رُوبہ عمل ہونے کے حساب سے اٹھائیس اعضاء کا عمل ہے اور اٹھائیس کا جمل صغیر دس ہے اور دس کا جمل صغیر ایک ہے جو توحید کی شہادت ہے ۔

بجز ان کے خدا کی معرفت ممکن نہیں عاشق
حقیقت میں یہ چودہ اُس کی یکتائی کے مظہر ہیں

Presented by Ziaraat.com

بیسواں باب

عبادت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جسدِ انسانی کو کمالات سے نواز کر ملائکہ کو اُس کے سامنے سرنگوں کر کے جب زمین پر اُتارا اور ایک آزمائش کے بعد اُسے آباد و شاد فرمایا۔ اُس کی نسل بڑھی تو انسان کو آداب زندگی بتائے اور اُسے اُس کی تخلیق کا صحیح مفہوم اور مقصد بتایا۔

پارہ ۲۷، سورۂ ذاریات میں ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا اُرِيْدُ اَنْ يُطْعِمُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○

"اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ تو میں اُن سے کچھ رزق چاہتا ہوں اور نہ ہی چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت رزق دینے والا مضبوط قوت والا ہے"۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بار بار قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ قرآنِ پاک میں تدبر اور تفکر سے کام لو۔ عقل کرو اس میں تمھارے لیے نشانیاں ہیں۔ جس طرح ملائکہ کو رب کریم نے خورد و نوش کی ضروریات کا محتاج نہیں بنایا اور وہ صرف اپنے معبود کی عبادت میں ہمہ تن مصروف ہیں، اللہ تعالیٰ اسی طرح انسان کو بھی اور جنات

Presented by Ziaraat.com

کو بھی حاجات وغیرہ سے آزاد فرما دیتا تو اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہ تھا۔ مگر ایسا نہیں کیا۔ بلکہ انسان کو نعمتوں کے بہترین استعمال کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی اُس کا مقصدِ زندگی بتایا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ تو رزق کے بارے میں کیوں سوچتا ہے۔ رزق دینا تو مضبوط قوت والے اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اسی لیے تو ارشاد رب العزت ہے:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ (پارہ ۳۰، سورۃ القریش)

"انھیں چاہیے کہ اُس گھر (کعبہ) کے رب کی عبادت کرتے رہیں جس نے انھیں بھوک میں کھانا دیا اور اُن کو خوف سے امن دیا"۔

کتنی پیاری اور لطیف بات ہے کہ اے انسانو! میری عبادت کرو، میرے سوا اور کوئی لائقِ عبادت نہیں ہے، رزق دینا میرا کام ہے، بس تمھارے ذمہ صرف یہ ہے کہ صرف میری عبادت کرو۔ رزق کے لالچ میں غافل نہ ہو جاؤ۔

پارہ ۱۲، سورۃ ہود، آیت ۲۶:

قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ

"پس اُس (شعیبؑ) نے کہا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں ہے اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ یقیناً میں تمھیں خوشحال دیکھتا ہوں۔ اور میں تم پر ٹھہرنے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں"۔

Presented by Ziaraat.com

تفسیر صافی، ص ۲۴۰ پر بحوالہ کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب میں یہ بات پائی کہ جب ناپ تول میں دھوکا دیا گیا یا ڈنڈی ماری جائے گی تو اللہ تعالیٰ اُن کو قحط اور گرانی میں مبتلا کر دے گا اور ایک اور روایت میں ہے کہ ظالم بادشاہ کو اُن پر مسلط کر دے گا۔ اور اُن کو روزی تکلیف سے ملے گی۔

کس طرح واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ تم ناپ تول میں کمی اس لیے کرتے ہو کہ تمہارا رزق بڑھ جائے حالانکہ یہ بالکل گھاٹے کا سودا ہے۔ اور عذاب کی وجہ ہے۔ تم قحط اور گرانی کا شکار ہو جاؤ گے۔ کیا تم سمجھے ہو کہ رزق تمہاری کوششوں سے ہے ہرگز نہیں، رزق اور بہترین رزق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اُس کی عبادت کرو۔

پارہ ۶، سورۂ مائدہ، آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَىٕنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ○ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰیَةً مِّنْكَ وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ○ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ○

”حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر تم ایمان لانے والے ہو تو اللہ سے ڈرو۔ انھوں نے کہا ہم چاہتے ہیں ہم اُس (مائدہ) میں

Presented by Ziaraat.com

سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں اور جان جائیں
کہ تو نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم اُس پر گواہی دینے والوں
میں سے ہو جائیں۔ عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے پروردگارا
اے اللہ! ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان نازل فرما وہ
ہمارے لیے ہمارے موجودہ اور ہمارے بعد میں آنے والوں
کے لیے عید ہو اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو۔ اور تو ہمیں
رزق دے تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا: میں ایسے تم پر ضرور نازل کرنے والا ہوں اور پھر اس
کے بعد جو شخص تم میں سے کفر کرے گا، تو میں یقیناً اسے ایسا
عذاب دوں گا جو عذاب میں دُنیا میں کسی کو نہ دوں گا"۔

تفسیر صافی، ص ۱۵۰ پر بحوالہ تفسیر مجمع البیان حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم تیس دن روزے رکھو پھر جو چاہو خدا سے سوال کرو وہ تمھیں عطا کرے گا۔ چنانچہ انھوں نے تیس روزے رکھے۔ جب فارغ ہو چکے تو انھوں نے یہ کہا کہ اگر ہم نے کسی آدمی کا کام کیا ہوتا تو وہ ہم کو کھانا کھلاتا۔ ہم نے روزے رکھے اور بھوکے مرے۔ اب تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجیے کہ ایک خوان ہم پر آسمان سے نازل فرمائے۔ چنانچہ فرشتے ایک خوان لے کر آئے جس میں سات بڑی بڑی روٹیاں تھیں اور سات رکابیاں تھیں وہ خوان لوگوں کے سامنے رکھا گیا۔ اور اول سے آخر تک سب نے کھایا۔

ایک اور روایت میں حضرت عمار بن یاسرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ جو مائدہ نازل ہوا تھا اُس میں روٹیاں تھیں اور گوشت اور وجہ اس کی یہ تھی کہ اُن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایسے کھانے کی درخواست کی تھی کہ جسے وہ

Presented by Ziaraat.com

کھائے جائیں اور وہ ختم ہی نہ ہو۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اس پر انھیں یہ کہہ دیا گیا کہ مائدہ (خوان) اُس وقت تک تمھارے لیے باقی رہے گا جب تک کہ تم اس میں خیانت نہ کرو۔ اس میں سے نہ کچھ اٹھاؤ اور نہ کچھ چھپاؤ۔ اور اگر تم نے ایسا کیا تو میں تم کو عذاب دوں گا۔

سورۂ مائدہ سے متعلق ایک روایت حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ مائدہ چالیس دن تک چاشت کے وقت اُترتا رہا۔ جب تک لوگ کھاتے رہتے قائم رہتا۔ جب فارغ ہو جاتے تو وہ بلند ہوتا جاتا۔ اور جب تک اس کی پرچھائیں رہتی لوگ دیکھتے رہتے۔ حتیٰ کہ وہ نظروں سے غائب ہو جاتا۔ پھر وہ ایک دن آتا تھا اور ایک دن نہیں آتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میرے مائدہ کو فقیروں اور محتاجوں کے لیے مخصوص کر دو، امیروں سے کچھ واسطہ نہیں۔

یہ بات امیروں کو ناگوار گزری اور انھوں نے شکایت کی اور دوسرے لوگوں نے بھی شکایت کی تو خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میں نے جھٹلانے والوں کے بارے میں پہلے ہی شرط کر لی تھی کہ جو لوگ اس کے نزول کے بعد کفرانِ نعمت کریں گے، میں اُن کو ایسا عذاب دوں گا کہ تمام عالم میں ایسا عذاب کسی کو نہ دیا ہوگا۔ اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرے اللہ اگر تو انھیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر تو انھیں بخش دے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔

چنانچہ اُن لوگوں میں سے ۳۳۳ آدمی جو رات جو اپنے اپنے گھروں میں اپنی اپنی بیویوں کے پاس اپنے اپنے بستروں پر سوئے ہوئے تھے۔ صبح کو مسخ ہو کر سؤر بن گئے۔ راستوں اور مزبلوں پر دوڑتے پھرتے تھے اور مزبلوں پر پاخانہ کھاتے تھے۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو روتے پیٹتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس

Presented by Ziaraat.com

آئے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آ چکا تھا۔ وہ اسی حالت میں زندہ رہے اور پھر ہلاک ہو گئے۔

خوان کا مسلسل چالیس روز تک آنا اور اُس کے بعد ایک دن کے وقفے سے آنا لوگوں کا اس سے استفادہ کرنا بغیر کسی محنت مزدوری کے تھا اور یہ سب کچھ اُن کا تیس روزے رکھنے کی عبادت کے اجر میں تھا۔ مائدہ کا غائب ہو جانا اور عذاب کا نازل ہونا اُن لوگوں کی طرف سے تکذیب اور خیانت کی وجہ سے ہوا۔

پارہ ۳، سورۂ آل عمران، آیت ۳۶، ۳۷:

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

"پھر اُس کے پروردگار نے اُسے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول کیا اور اُسے خوبی کے ساتھ بڑھایا اور زکریا علیہ السلام نے اس کی کفالت کی اور جب کبھی زکریا علیہ السلام محراب عبادت میں داخل ہوا اُس کے پاس رزق پایا۔ دریافت کیا کہ اے مریمؑ! یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا؟ وہ بولی: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے"۔

تفسیر صافی، تفسیر کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے تفسیر مجمع البیان میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمران بن ماثان کو وحی کی کہ میں تم کو ایک لڑکا عطا کروں گا اور اُس کو بنی اسرائیل میں رسول بنا کر بھیجوں گا۔

Presented by Ziaraat.com

لیکن لڑکی پیدا ہوئی تو حیران ہو گئے کہ لڑکی رسول نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ خوب جانتا ہے پھر حضرت مریمؑ کو عیسیٰؑ عطا کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق کو آدمؑ کی مثل قرار دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نبی اور رسول ہوئے اور عمران بن ماثان کی نسل حضرت مریمؑ سے چلی اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ مثال قائم کر دی کہ بیٹی کی اولاد بیٹی کے باپ کی نسل شمار ہوگی۔ متذکرہ سطور میں حضرت مریمؑ کے کھانے اور دیگر میوہ جات کا ذکر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ عبادت گاہ میں عطا فرماتا تھا۔ جب کہ اس سے پیش تر اس بات پر قرعہ اندازی ہوئی کہ کون مریمؑ کی کفالت کرے گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جن اور انسان کو اُن کی تخلیق کا واضح مقصد بتا دیا۔ اب یہ جنوں اور انسانوں پر موقوف ہے کہ وہ کیسے مقصدِ زندگی کو پورا کرتے ہیں۔ عبادت بغیر معرفت کے ممکن نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس صحابیٔ رسول تھے اور صحابہ کرام میں ایک الگ اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ لوگوں نے ایک بار اُن سے دریافت کیا کہ عبادت کا کیا مفہوم ہے؟ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: عبادت دراصل معرفت کو کہتے ہیں۔ معرفت ہو جائے تو پھر عبادت زندگی اور زندگی عبادت بن جاتی ہے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا: یا علیؑ! اللہ کی معرفت کیسے حاصل ہو؟ امیرالمومنین نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات سے جاننے کی کوشش نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کوئی شئے ہے۔ وہ کسی شئے کی شکل نہیں کہ جسے دیکھا جا سکے، جس کو چھوا جا سکے اُس کی ذات کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کر کے اُس کی معرفت حاصل کی جا سکے اور یہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔ اے لوگو! اگر تم اللہ کی معرفت چاہتے ہو تو اُس کو اُس کی ذات کی بجائے اُس کی صفات سے جانو۔ بے ستون آسمانوں کو دیکھ کر تدبر کرو کہ کیسے یہ ممکن ہے۔

Presented by Ziaraat.com

اپنے مسکن زمین پہ نظر کرو اور سوچو کہ کون سی ایسی چیز ہے جو تمھاری خوراک سے لے کر آسائش تک اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر نہیں رکھ چھوڑی اور اس میں روئیدگی کی صلاحیت رکھی۔ بلند قامت پہاڑوں کو دیکھو کہ اُس کی ہیبتیں اور ہلکی سی جھلک کے مظہر ہیں۔ الغرض نظام کائنات میں ہر چیز اُس کی قدرت میں ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ پس عبادت اُسی کے لیے زیبا ہے۔ وہ ہی لائق عبادت ہے۔ اور لوگوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اُس کی عبادت میں مخلص ہو جائیں۔

پارہ ۳۰، سورۃ البینہ، آیت ۵:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ

"اور اُنھیں نہیں حکم دیا گیا مگر یہ کہ عبادت کو صرف اُس کے لیے خالص کرتے ہوئے باطل سے کترا کر صرف اُسی کی عبادت کیا کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں اور یہی درست دین ہے"۔

اس آیتِ پاک میں باطل سے کترا کر عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر باطل کا شائبہ تک بھی اندر موجود ہو تو یہ شرک کے زمرے میں آتا ہے۔ اور شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظلم عظیم ہے اور مغفرت ایسے لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ ایسے کی عبادت کیوں کر ہو جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔

پارہ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۱۸، فرمانِ خداوندی ہے:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا

Presented by Ziaraat.com

يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ○

"اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جو نہ
انہیں ضرر پہنچاتی ہے اور نہ انہیں فائدہ دیتی ہے اور وہ کہتے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں۔ کہہ دو کہ کیا تم
اللہ تعالیٰ کو اُس کی چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں
جانتا ہے اور نہ زمین میں۔ اُس کی ذات پاک برتر ہے اُن
چیزوں سے جنہیں وہ اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں"۔

تفسیر صافی، ص ۲۲۱ پر بحوالہ تفسیر قمی لکھا ہے کہ قریش بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں عبادت کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہم کو خدا سے ملا دیں اور اُس تک پہنچا دیں۔ اس لیے کہ ہم تو اُس کی عبادت پر قادر ہی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس عبادت کو رد کر دیا۔ اور فرمایا: اے رسولؐ! کہہ دو کہ تم اللہ تعالیٰ کو اُن کی خبر دیتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں۔

پارہ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۱۰۴:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ
الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ
يَتَوَفّٰىكُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

"اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں شک میں ہو۔
پس میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت
کرتے ہو۔ لیکن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں۔ جو تمہیں
اُٹھا لیتا ہے (دنیا سے) اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں

Presented by Ziaraat.com

مومنوں میں سے ہی رہوں"۔

متذکرہ آیت میں عبادت کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے مخصوص کیا گیا ہے اور باقی تمام غیر اللہ کی نفی کی گئی ہے۔ آیت پاک میں انتہائی خوب صورتی کے ساتھ مومن کی تعریف کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نبیؑ اپنی قوم سے مخاطب ہے کہ میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں مومنوں میں سے ہی رہوں۔ یعنی مومن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کو ہی حقیقی معبود مانتا ہے اور کسی کو کسی بھی طرح اُس کا شریک نہیں ٹھہراتا اور خود کو مکمل طور پر اطاعتِ خداوندی میں پیش کر دیتا ہے اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ جس کی اطاعت کا حکم دیتا ہے اُسی کی اطاعت کرتا ہے اور کسی طرح بھی پس و پیش نہیں کرتا۔

پارہ ۱۴، سورۂ نحل، آیت ۷۳، رب العزت کا ارشاد ہے:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

"اور وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اُس چیز کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں سے انھیں کچھ بھی رزق دینے کے مالک نہیں ہیں۔ اور نہ ہی وہ استطاعت رکھتے ہیں"۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مخاطب ہے کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ تو کسی چیز کے مالک نہیں۔ ملک تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اُسی کی بادشاہت ہے۔ اُسی کی مملکت ہے۔ اُس کے سامنے کسی کی نہیں چلتی سب بے بس ہیں اور محتاج ہیں۔ ساری قدرت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اور رزق کی صورت میں یہ بات کہہ کر اٹل فیصلہ بتا دیا کہ جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ کچھ بھی رزق دینے کے مالک نہیں۔ آسمانوں اور زمین میں لفظ رزق کو وسعت عطا فرما دی۔ انسانوں، جانوروں، چوپایوں،

Presented by Ziaraat.com

بری اور آبی جانوروں، کیڑے مکوڑوں، غرضیکہ ہر ذی روح کے لیے اُس کی شکم پروری کے لیے خورد و نوش کی اشیاء اور اشرف المخلوقات انسان کے لیے اس کے علاوہ اُس کی روح کا رزق اس کے دماغ کے لیے علم اور تدبر و تفکر کا رزق، آنکھ کے لیے خوب صورت کائنات میں حسین مناظر فطرت اور پسندیدہ رشتوں کو دیکھ کر طمانیت حاصل کرنے کا رزق اور دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا رزق، احساس اور درد کا رزق، یوں کہیے ہر نوع کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے اور صرف عبادت شرط قرار دی ہے اس اضافے کے ساتھ کہ تم اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار کرنا چاہتے ہو تو سن لو تمہیں اس سے بھی زیادہ ملے گا صرف ایسا ہونا پڑے گا جیسا میں چاہتا ہوں۔

پارہ ۳، سورۂ آلِ عمران، آیت ۳۱:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝

"اے رسولؐ! ان سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری (محمدؐ کی) پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے"۔

اس آیت مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطلق پیروی کا حکم دیا ہے۔ کسی ایک امر یا ایک بات کی پیروی نہیں بلکہ مکمل پیروی کا حکم ہے۔ اور اس پیروی کو کسی بھی شرط کے ساتھ نہیں باندھا بلکہ ہر امر میں پیروی واجب قرار دی اور سند جاری فرما دی کہ میرا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حکم کے بغیر کوئی امر بجا نہیں لاتا۔ یہ معصوم ہے، طاہر ہے، رجس اس کے قریب نہیں آسکتی۔ گناہ، خطا، بھول چوک کا اس میں شائبہ تک نہیں۔ میرا رسولؐ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى

Presented by Ziaraat.com

(تمہارا ساتھی (محمدؐ) نہ گمراہ ہوا اور نہ بہکا۔
سنو! میرا رسول عصمت مطلق ہے۔ اس کی پیروی کرو اور ہر حال میں پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

مقام فکر ہے بلندیٔ درجات کا اندازہ کیجیے کہ ایک شخص جس سے محبت کرنا چاہتا ہے یا محبت کرتا ہے اگر وہ اُس سے محبت کرنے لگے تو اسے کیا کہیں گے۔ یہ فیصلہ میں قاری پر چھوڑے دیتا ہوں۔ رسول پاک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کا نام اللہ تعالیٰ کی عبادت کی معراج ہے اور عبادت محبت کی مرہونِ منت ہے۔

پارہ ۱۶، سورۂ مریم، آیت ۶۵ رب العزت کا ارشاد ہے:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا

"وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو۔ کیا تو کسی کو اللہ جیسا پہچانتا ہے"۔

جو کچھ بھی ہے سب کا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے اور اسی بات پر زور دیا گیا ہے کہ جو تمہارا پروردگار ہے جو تمہیں ہر طرح سے رزق عطا کرتا ہے صرف اُسی کی عبادت کرو۔ یا یہ بتاؤ کہ کیا تم اس کی کوئی مثال (نظیر) جانتے ہو جو اس کے نام کا مستحق ہو اُس کی صفت سے متصف ہو اور حقیقتاً اُس کا حق رکھتا ہو۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے۔

تفسیر صافی، ص ۱۵ ۳، بحوالہ التوحید جناب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ کیا تم کسی اور شخص کو سوائے اللہ تعالیٰ کے ایسا جانتے ہو جس کا نام اللہ ہو۔

اسی لیے پارہ ۱۷، سورۂ انبیاء، آیت ۱۹، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

Presented by Ziaraat.com

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ

''اور جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی (اللہ) کے لیے ہے۔ اور جو اُس کے حضور میں ہیں، وہ نہ تو اس کی عبادت سے سرکشی کرتے ہیں اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں''۔

اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عبادت کا فرشتوں سے ہونا ذکر کیا ہے۔ یعنی فرشتے ہمہ وقت میرے حضور میں ہیں اور اُن میں تھکنے کا تصور نہیں اور نہ ہی بغاوت اور سرکشی کرنا آتی ہے۔ دراصل ذاتِ کریم جن اور انسان کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ ساری نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کے باوجود تو ناشکرا ہے۔ میری نعمتوں کو بھی جھٹلاتا ہے اور میرے شریک بھی ٹھہراتا ہے۔

تفسیر صافی، ص ۳۲۶، پر بحوالہ عیونِ اخبار الرضا حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے: ''فرشتے معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے الطاف و کرم کے باعث کفر اور بدیوں سے محفوظ ہیں''۔ ان کے متعلق پارہ ۲۸، سورۂ تحریم، آیت ۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ

''وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بات میں جس کا اُس نے حکم دیا، نافرمانی نہیں کرتے اور جس بات کا انھیں حکم دیا جاتا ہے وہ اُسے بجا لاتے ہیں''۔

الاکمال میں ہے کہ حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا فرشتے سوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کوئی زندہ ایسا نہیں جو سوتا نہ ہو۔ اس پر عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: صحیح ہے۔ فرشتوں کی سانس تک تسبیح ہے۔

Presented by Ziaraat.com

ایک روایت میں ہے کہ اُن کے جسم کے جتنے ظلیے ہیں، سب مختلف آوازوں سے ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جو قابل ادراک ہے کہ جن و انس کو نہیں پیدا کیا سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اپنی تمام تر حاجات کے ہوتے ہوئے خالصتاً اللہ کی ہی عبادت کریں اور اس کے کسی امر کی بجا آوری میں ذرا بھر غفلت نہ کریں۔ یہی عمل اُن کو فرشتوں پر برتری دلاتا ہے اور انسان کو تو مزید فضیلت عطا فرمادی کہ وہ دُنیا کو اپنے استعمال اور تصرف میں بھی لائے اور عبادت بھی کرے اور اشرف المخلوقات کے جس منصب پر اُسے فائز کیا گیا ہے اُسے ثابت بھی کرے۔

پارہ ۲۱، سورۃ العنکبوت، آیت نمبر ۵۶، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ

"اے میرے بندو! جو ایمان لا چکے ہو۔ یقیناً میری زمین فراخ ہے۔ پس تم خالص میری ہی عبادت کیا کرو"۔

تفسیر صافی، ص ۳۸۷ پر ہے کہ جب تمھیں کسی شہر میں خدا کی عبادت کرنا میسر نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کر جاؤ اور ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں خدا کی عبادت کے لیے کوئی روک ٹوک نہ ہو۔

تفسیر قمی میں ہے کہ کہ تم بدکار بادشاہوں کی اطاعت مت کرو اور اگر تمھیں یہ خوف ہو کہ وہ تمھیں ایذا پہنچائیں گے تو میری زمین بڑی فراخ ہے کسی اور جگہ چلے جاؤ۔

تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب اس ملک میں جہاں تم ہو خدا کی نافرمانی شروع ہو جائے تو تم وہاں سے نکل کر کسی دوسرے ملک چلے جاؤ۔

Presented by Ziaraat.com

الجوامع میں آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ جو شخص اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جائے، اگر چہ وہ ایک بالشت ہی ہٹا ہو وہ جنت کا مستحق ہو جائے گا اور وہاں حضرت ابراہیمؑ اور رسول اللہؐ کی رفاقت میں رہے گا۔

معصومین علیہم السلام کے فرمودات اور آیت پاک میں واضح ارشاد سے عبادت پر ہی زور دیا گیا ہے۔ شہر چھوڑنا، گھر چھوڑنا، ملک چھوڑنا، رشتے ناطے چھوڑنا، مال و منال اور منقولہ جائیداد کو چھوڑنا معاشی طور پر مستحکم زندگی سے دست بردار ہو کر اپنے معبود حقیقی کی عبادت کے لیے ہجرت اختیار کرنا قُربِ رسول خدا ﷺ کی ضمانت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نوید دے رہا ہے کہ تو اپنے سچے اور لاشریک معبود کی خاطر ہجرت کر جا۔ تیرے تمام امور تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہیں۔ اپنے عابد کو بے نیازی اختیار کرنے کا درس دیا ہے جس کی حقیقت ایک امر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر کفر اور شرک کا ارتکاب کرنے والوں کے بارے میں اپنے رسول اکرم ﷺ سے فرمایا:

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ

"اے رسولؐ! کہہ دو، اے بے خبرو کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں"۔

اس آیۂ مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ فرما کر اُن لوگوں کی بے خبری، بے بصیرتی اور عدم معرفت کا پتہ دیا ہے کہ وہ لوگ تو معرفت ہی نہیں رکھتے۔ عبادت جیسی نعمتِ عظمیٰ معرفت کے بعد ہی میسر آتی ہے کیوں کہ معرفت عبادت اور اطاعت کے لیے راہ متعین کرتی ہے۔

پارہ ۲۹، سورۂ نوح، آیت ۳:

Presented by Ziaraat.com

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ

"کہ تم اللہ ہی کی عبادت کرو اسی سے ڈرتے رہو اور میری اطاعت کرو"۔

اس آیۂ مجید میں حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے مخاطب ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور میری (یعنی اللہ تعالیٰ کے نبی نوحؑ) کی اطاعت کرو۔ گویا بندہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو اُس پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نبی کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ اطاعتِ رسولؐ کے بغیر عبادت معرفت سے خالی ہوتی ہے اور معرفت کا ذریعہ تو فقط اللہ تعالیٰ کے نبی کی ذات ہوتی ہے۔ پس نبی سے بیگانہ معرفتِ خدا سے بیگانہ اور معرفتِ خدا سے بیگانہ عبادت سے بیگانہ ہے۔

پارہ ۱۴، سورۂ حجر، آیت ۹۸، ۹۹ میں ارشاد خداوندی ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ○

"پس تم اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کرو اور خدا کو سجدہ کرنے والوں میں سے بنے رہو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو یہاں تک کہ تمھیں یقینی بات (موت) آجائے"۔

اس آیۂ مجیدہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ سے خطاب کا وہی انداز ہے جو پورے قرآنِ مجید میں اکثر مقامات پر اختیار کیا گیا ہے۔ جب بھی عبادت کا کہا گیا تو یہی کہا کہ اپنے رب کی عبادت کرو یعنی اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ آسان لفظوں میں لکھا پڑھا اور سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے پالنے والے کی عبادت کرو اور پالنے والا کبھی اپنے زیرِ کفالت و پرورش کی کسی ایک نوع سے پرورش نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اس کی احتیاج کو سمجھتا ہے۔ وہ اس کی خوراک، لباس،

Presented by Ziaraat.com

صحت، تعلیم فراہم کرتا ہے اُسے مناسب ماحول دیتا ہے۔ عام کفیل بھی یہ ذمہ داری نبھانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ مگر رب کریم تو ایسا کفیل ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہر چیز اُس کے احاطۂ قدرت میں ہے۔ اسی لیے تو غیر مبہم اعلان فرمایا: "میں تیرا رب ہوں پالنا میرا کام ہے۔ رزق کی کوئی صورت ہو فراہم کرنا میرا کام ہے۔ اے بندے! تیرے ذمہ تو صرف میری (اللہ تعالیٰ) کی عبادت ہے اور عبادت بھی ایسی کہ تجھے موت آجائے اور تو محو عبادت ہو اور عبادت تیرے ہر فعل اور قول کا مجھ (اللہ) اور میرے رسول (محمد ﷺ) کی اطاعت سے مشروط ہونے کا نام ہے"۔

پارہ ۱۴، سورۃ نحل، آیت ۱۱۴، خالق حقیقی فرماتا ہے:

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ

"پس جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں حلال، پاکیزہ رزق دیا ہے اُس میں سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو"۔

متذکرہ آیت کے آخری حصہ میں کچھ یوں بیان ہے کہ اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو پھر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس نے تمھارے لیے حلال اور پاکیزہ رزق فراہم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو بس یہ جان لینا چاہیے کہ عبادت میں رزق ہے اور رزق میں عبادت نہیں۔

قرآن مجید فرقان حمید میں پہلے پارہ الم میں سورۃ بقرہ کی پہلی آیات میں فرمانِ ذوالجلال ہے کہ:

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

Presented by Ziaraat.com

"الم، یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں یہ متقین کے لیے
ہدایت ہے جو لوگ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے
ہیں اور جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں"۔

یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ کتاب متقی لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ متقی کی دلیل اور سند ہے کہ وہ غیب پر ایمان رکھتا ہے۔ نماز قائم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے اُس کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ یعنی صاحب ایمان حسنِ کردہ اعمال سے متصف ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ غیب کیا ہے؟ آسان لفظوں میں اگر یہ کہا جائے کہ جو آنکھوں سے پوشیدہ ہو اُسے غیب کہتے ہیں اور اہلِ اسلام کے نزدیک جو چیز آنکھوں سے تو پوشیدہ ہو مگر دل میں اس کا احساس موجود ہو اُسے غیب کہتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ قیامت، جنت اور دوزخ وغیرہ۔

پارہ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۲۰:

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ
لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ

"اور وہ کہتے ہیں کہ اُس کے پروردگار کی طرف سے کیوں کوئی
آیت نازل نہیں کی جاتی پس تم کہہ دو کہ ماسوا اس کے نہیں ہے
کہ غیب تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ پس تم انتظار کرو میں بھی
تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں"۔

پس غیب کے بارے میں یہ جان لینا اور پھر پورے یقین کے ساتھ اُس کو مان لینا ایمان ہے اور مان لینے والا مومن ہے اور مومن ہی متقی ہے۔ خدا سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ آخرت، رجعت اور قیام جو کہ غیب سے متعلق ہیں پر کامل یقین رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ سے فرماتا ہے: "اے رسولؐ! اس وقت کو یاد کرو جب

Presented by Ziaraat.com

کہ ابراہیمؑ نے کہا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مُردے کس طرح زندہ کیا کرتا ہے؟ فرمایا گیا: تمھیں اس کا یقین نہیں۔ اُس نے عرض کیا: ہاں! یقین تو ہے لیکن میں اپنے دل کا اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔

تفسیر صافی، ص ۷۳ بحوالہ تفسیر عیاشی تحریر ہے کہ آٹھویں امام علی رضا علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ کیا جناب ابراہیم علیہ السلام کے دل میں کچھ شک تھا؟ فرمایا: نہیں کوئی شک نہیں تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں یقین تھا اور انھوں نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے یقین کو اور مضبوط کر دے۔ پس یہ سمجھنے میں اب ذرہ بھر بھی دشواری نہیں رہی کہ جب دل میں موجود یقین کو اور مضبوطی مل جائے تو اس کیفیت کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور شک کا گزر نہیں ہوتا۔

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ

"اور اُن کافروں نے اُن مسلمانوں میں کوئی عیب نہیں پایا بہ جز (بجز) اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لائے تھے"۔

اس آیۂ مجیدہ کی ذیل میں ایک واقعہ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ کسی کافر بادشاہ کے پاس ایک کاہن تھا۔ اُس نے بادشاہ کو کہا کہ مجھ کو کوئی ہوشیار لڑکا دو کہ میں اُس کو اپنا علم کہانت سکھا دوں۔ چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا اور اُسے کاہن کے حوالے کر دیا گیا۔ لڑکا روزانہ کاہن کے پاس جاتا۔ لڑکے کے راستے میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اُس وقت کے دینِ حق مسیحیت کا سچا پیرو تھا۔ اس لڑکے کی راہب کے پاس بھی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لڑکا خفیہ مسلمان ہو گیا۔ ایک دن اُس نے دیکھا کہ لوگ پریشان کھڑے ہیں معلوم ہوا کہ ایک شیر نے راستہ روک رکھا ہے۔ لڑکے نے ایک چھوٹا سا پتھر ہاتھ میں اٹھایا اور دعا کی کہ اے اللہ تعالیٰ اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے، یہ کہہ کر اُس نے

Presented by Ziaraat.com

پتھر مارا اور شیر اُسی وقت ہلاک ہو گیا۔

اب مشہور ہو گیا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے۔ ایک اندھے نے بینائی کے لیے التجا کی، لڑکے نے دُعا کی اندھا بینا ہو گیا اور مسلمان ہو گیا۔ جب بادشاہ کو اس بات کی خبر ہوئی تو اُس نے لڑکے راہب اور اُس اندھے شخص کو گرفتار کروا کر راہب اور اندھے کو (جو کہ اب بینا تھا) قتل کروا دیا اور لڑکے کو پہاڑ سے گرانے کا حکم دیا۔ اُس کو پہاڑ سے گرانے والے سب ہلاک ہو گئے اور لڑکا محفوظ رہا۔ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر لڑکے کو سمندر میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ اُسے غرق کرنے والے غرق ہو گئے اور وہ سلامت رہا۔

یہ دیکھ کر بادشاہ کے غیض و غضب کی حد نہ رہی وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیسے سزا دوں کہ یہ بچ نہ پائے۔ لڑکے نے صورت حال دیکھ کر بادشاہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ تو مجھے ختم کرنا چاہتا ہے تو سُن مجھ کو بسم اللہ پڑھ کر تیر مارو میں مر جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، تو لڑکا شہید ہو گیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر لوگوں نے یک لخت باآوازِ بلند کہا کہ ہم سب اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے غصے میں حکم جاری کیا کہ بڑی بڑی خندقیں کھود کر آگ سے بھر دو۔ جب یہ کام ہو گیا تو اعلان کیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے گا اُس کو آگ میں جلا دیا جائے گا۔ لیکن جو ایمان لا چکے تھے وہ نہ پلٹے۔

اس واقعے سے یہ بات عیاں ہے کہ ایمان پوری سچائی کے ساتھ لانا ہی ایمان ہوتا ہے اور اُسے ہی مومن کہا جا سکتا ہے۔

طرزِ حیات کیا ہے لذّتِ ممات کیا ہے
فکر و عمل میں مومن خُدا کی دلیل بس

Presented by Ziaraat.com

اکیسواں باب

دائرۂ اطاعت

ایمان والے لوگوں کے بارے میں فرمانِ خداوندی ہے کہ غیب پر ایمان لانے کے بعد وہ اور کس پر ایمان لائیں تاکہ دائرۂ اطاعت و فرمانبرداری میں داخل ہو جائیں۔

سورۂ آل عمران، آیت ۸۵، پارہ ۳:

قُلْ آمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

''اے رسولؐ! کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور اسمٰعیلؑ اور یعقوبؑ اور اسباطؑ پر اور اُس پر بھی جو اپنے رب کی طرف سے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم تو اُسی کے فرماں بردار ہیں اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے تو وہ دین اُس سے کبھی قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں

Presented by Ziaraat.com

نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا"۔

پارہ ۵، سورۂ نساء، آیت ۴۷:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا

"اے وہ لوگو! جنھیں کتاب دی گئی ہے اس پر ایمان لاؤ جو کچھ ہم نے نازل کیا ہے وہ تصدیق کرتا ہے اُس کی جو کچھ تمھارے پاس ہے پیش تر اس کے کہ ہم چہرے مٹا ڈالیں پھر ہم اُن کو پشت کی طرف پھیر دیں یا اُن پر ایسی لعنت کریں جس طرح ہم نے اصحاب سبت پر لعنت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کا کام ہو کر رہے گا"۔

اطاعت میں آنے کے لیے ضروری قرار دیا کہ جو کچھ ہم نے نازل کیا ہے اور یہ پاک کتاب دی ہے اس پر ایمان لے آؤ۔ تم جس حیثیت میں بھی ہو اور جو کچھ پوشیدہ یا ظاہر تمھارے پاس ہے یہ کتاب اُس کی تصدیق کرتی ہے۔ سچے دل سے ایمان لے آؤ ورنہ اصحاب سبت جیسا حشر ہوگا اور اللہ کے لیے کوئی مشکل کام نہ ہے۔

پارہ ۵، سورۂ نساء، آیت ۷۶:

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ

"جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں"۔

Presented by Ziaraat.com

جو شخص جس پر ایمان لاتا ہے وہ اس کی اطاعت میں آ جاتا ہے اور پھر اُس کا جینا مرنا اُسی کے لیے ہوتا ہے جس پر ایمان رکھتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد وہ صرف اللہ تعالیٰ کی راہ میں کفر سے لڑتا ہے اور کافر کفر کی راہ میں لڑتا ہے۔

اسی سورۂ نساء کی آیت ۶۵ میں فرمان ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

"پس ایسا نہیں ہے اے رسول اور تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ اُن جھگڑوں میں جو ان کے درمیان پڑتے ہیں، تمھیں منصف نہ بنا لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور تمھیں ایسا مان لیں جیسا ماننے کا حق ہے"۔

مذکرہ بالا آیت میں فیصلہ کن انداز اختیار کیا گیا ہے۔ کہ لوگ مومن نہیں جب تک یہ آپؐ کو حکم اور منصف نہیں مان لیتے اور پھر آپؐ کی طرف سے کیے گئے فیصلے کو بخوشی تسلیم کریں اور دل میں تنگی اور کدورت نہ لائیں اور تیری اطاعت سے سرِ مو انحراف نہ کریں۔ یہی ماننے کا حق ہے۔

سورۂ نساء، آیت ۱۱۵:

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا

"اور جو شخص بعد اس کے کہ اُسے ہدایت واضح ہو چکی ہو رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ کے سوا کسی اور راہ کی

Presented by Ziaraat.com

پیروی کرے تو ہم اُسے پھرا رہنے دیں گے جدھر وہ پھرا۔ اور
اُسے جہنم میں پہنچا دیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے"۔

اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ فیصلہ تو قبول کرے مگر دل میں تنگی محسوس کرے وہ مومن نہیں ہے۔ یہاں مزید صراحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ رسول ﷺ کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ کے سوا کسی اور راہ کی پیروی کرے تو وہ مرتد ہے اور اس کا مقدر جہنم ہے۔ رسول خدا ﷺ کی مخالفت اور نا فرمانی تو شیطانی عمل ہے۔ یہاں تو مومنوں کی راہ سے ہٹ کر کسی دوسرے کی راہ پر چلنے والا سزاوار جہنم ہے۔ کیوں کہ مومن ہی تو رسول اللہ کے مطیع اور اطاعت گزار ہوتے ہیں۔

پارہ ۶، سورۂ نساء، آیت ۱۶۲:

لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ
وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
اُولٰٓىٕكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا

"لیکن اُن میں سے جو علم کے پکے ہیں اور مومن لوگ جو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا اور اُس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا اور نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے یہی وہ لوگ ہیں کہ ہم انھیں عنقریب بہت بڑا اجر دیں گے"۔

اس آیۂ مجیدہ میں علم کے پکے اور مومنین کی تعریف بیان کی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تم پر نازل کیا ہے اور جو پہلے انبیاء پر نازل کیا ہے اُس پر ایمان رکھتے

Presented by Ziaraat.com

ہیں۔ یقین اور عمل پر پورا اترنے والے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں کہ وہ کچھ مان لیں اور کچھ نہ مانیں جیسے کہ کچھ لوگ بعض انبیاء کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان یعنی بیچوں بیچ کوئی راستہ نکال لیں۔ یقیناً یہی لوگ کافر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے اور اُن میں سے کسی ایک کے درمیان میں فرق نہ کیا، اللہ تعالیٰ کے پاس اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

پارہ ۹، سورۃ الانفال، آیت ۲۰:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ

"اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور اُس سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سنتے ہو"۔

اہلِ ایمان کو خدائے بزرگ و برتر نے جہاں اللہ تعالیٰ پر تمام رسولوں پر اور اُس سب کچھ پر جو آسمانوں سے نازل کیا جا چکا ہے پر ایمان لانے کے بعد اپنے پیارے حبیب رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اُس پر شرط لگا دی ہے کہ ہرگز اُس اطاعت سے روگردانی نہ کرو۔ تم ایسے لوگوں کی طرح نہ بنو جو کچھ بھی نہیں سنتے اور کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے۔ جب کہ تم تو سنتے ہو۔ پس تمھیں سنے ہوئے کو سمجھنا اور اُس پر عمل کرنا چاہیے۔

پارہ ۹، سورۃ اعراف، آیت ۲۰:

قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي هَٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

Presented by Ziaraat.com

"اے رسولؐ! کہہ دو کہ ما سوا اس کے نہیں ہے کہ میں تو ایسی
بات کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے
میری طرف وحی کی جاتی ہے یہ تمھارے رب کی طرف سے اُن
لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں بصیرت کی باتیں اور
ہدایت اور رحمت ہے"۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو من و عن تسلیم کر لینا صحیح پیروی ہے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے فرما رہا ہے: اے رسولؐ! ان سے کہہ دو کہ میں تو وہی کچھ کہتا اور کرتا ہوں جس کا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے۔ اور یہ بات تو صرف مومنوں کے لیے ہی بصیرت بھی ہے، ہدایت بھی، اور رحمت بھی ہے، جبکہ دوسرے لوگ جو تمھیں کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھیں کوئی بات یا آیت نہ آئی ہے تو اپنی طرف سے ہی کوئی آیت چُن کر یعنی بنا کر لے آؤ۔ لیکن خدائے بزرگ و برتر نے فرمایا: اے رسولؐ! ان سے کہہ دو کہ میں اپنے پاس سے کوئی بات یا آیت نہیں بناتا وہی کہتا ہوں جو وحی کہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مشروط یہ بات تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر قول و فعل کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے۔ پس اسے بلا چوں و چرا مانا جائے اور اس کی پیروی کی جائے۔

پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۹۴:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ
لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ

"پس جو شخص نیک عمل کرے گا اور مومن بھی ہوگا تو اُس کی
کوشش کی ناقدری نہ کی جائے گی۔ اور یقیناً ہم اُس کے لیے
لکھنے والے ہیں"۔

Presented by Ziaraat.com

مومن ہونا اور پھر نیک عمل کرنا اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کی دلیل ہے۔ اسی لیے تو رب العزت کا ارشاد ہے کہ ایسے شخص کی ناقدری نہ کی جائے۔

پارہ ۲۸، سورۂ تحریم، آیت ۳، ۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یقیناً اللہ اُس کا سرپرست ہے اور جبرائیل اور صالح المومنین بھی اور اُس کے بعد کل فرشتے اس کے پشت پناہ ہیں"۔

تفسیر صافی، ص ۵۰۵ پر ہے کہ یہ خطاب آنحضرت ﷺ کی دو پیاری بیویوں سے ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ عتاب حد سے زیادہ ہے اور خطاب یہ ہے کہ تم دونوں سے ایسی باتیں سرزد ہوئی ہیں جن کے لیے تمھارا توبہ کرنا واجب ہے اور وہ تمھارے دلوں کا رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں امرِ واجب سے ہٹ جانا ہے کیوں کہ تمھیں واجب یہ تھا کہ جس بات کو رسول ﷺ پسند کرتے تم بھی اُسے ہی پسند کرتیں اور جن سے آپ نفرت کرتے تم بھی اُس سے نفرت کرتیں۔

پس اس امر کو سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام اہل اسلام کے لیے آسان کر دیا کہ رسول اکرم ﷺ کے ہر عمل پر پسندیدگی لازم اور واجب ہے اور جس سے رسول نفرت کریں اُس سے نفرت لازم اور واجب ہے۔ اس میں کسی رشتہ داری کا بھی استثنیٰ نہیں خواہ وہ بیویاں ہی کیوں نہ ہوں۔ بلکہ اُن کے بارے میں ارشاد ہے:

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا

"اگر تم دونوں نبی کی بیویاں اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ کر لو (تو فبہا) پس تم دونوں کے دل منحرف ہو گئے ہیں"۔

اور یہاں تک کہ ان کے دلوں کے انحراف کی بات کر کے عتاب کا اظہار بھی کیا گیا ہے اور اُن کے لیے ایک وعید کی گئی۔ جبکہ مومنین کے لیے سورۂ تحریم ہی میں ہے:

Presented by Ziaraat.com

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ
يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا
نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

"اُس دن اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے رسوا (ذلیل) نہ کرے گا۔ اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے دائیں ہاتھ چلے گا اور وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے لیے ہمارا نور کامل کر دے اور ہمیں بخش دے۔ بیشک تو ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے"۔

تفسیر صافی، ص ۵۰۵ پر بحوالہ تفسیر مجمع البیان، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قیامت کے دن آئمہ علیہم السلام مومنین کے آگے اور داہنے سعی فرماتے ہوں گے۔ یہاں تک کہ اُن کو جنت میں اُن کے مکانوں پر پہنچا دیں گے۔

تفسیر قمی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے تقریباً یہی مضمون درج ہے بلکہ اس اضافے کے ساتھ کہ جس کو اُس دن یہ نور حاصل ہو گیا اُس نے ضرور نجات پائی اور کوئی مومن ایسا نہ ہوگا جسے اُس دن نور حاصل نہ ہو۔ یہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے صرف وہ چاہا جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر کیے کام کی تائید اور پیروی کی۔

پارہ ۵، سورۂ نساء، آیت ۱۳۶ تا ۱۳۷:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ
الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ
وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

Presented by Ziaraat.com

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ
اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ
وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ○

"اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر نازل کی اور اُس کتاب پر جو اس نے پہلے نازل کی اور جو شخص اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے انکار کرے تو یقیناً گمراہی میں بھٹک کر دور جا پڑا۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھ گئے اللہ کے واسطے نہیں ہے کہ وہ انھیں بخش دے اور نہ ہی یہ کہ انھیں راہ راست تک پہنچائے"۔

تفسیر صافی، ص ۱۲۴ پر ہے کہ ان آیات مبارکہ میں اُن یہودیوں کا ذکر ہے، جو حضرت موسیٰ پر ایمان لائے اور وہ منافق لوگ جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظاہری ایمان لائے یعنی حضرت موسیٰ کی قوم نے گوسالہ پرستی کی اور منافق ہو گئے۔ لیکن پھر ایمان لائے پھر جو دوبارہ کفر کرنے والوں کا ذکر ہے اس سے مراد وہ یہودی ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کفر کیا اور دوسری بار منافق ہو گئے اور آیت کے آخری حصے میں ہے کہ پھر کفر میں بڑھ گئے اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کفر کیا اور نافرمانی میں اس قدر اصرار کیا کہ آخر مر ہی گئے۔

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۳۶ میں اللہ تعالیٰ کا خطاب "اے وہ لوگو! جو ایمان

Presented by Ziaraat.com

لاچکے ہو ایمان لاؤ، بندہ مومن کو دعوت فکر دیتا ہے کہ جب ایمان لا چکا تو پھر کس پر ایمان لائے۔ ایمان لا چکنے کے بعد ایمان لانا کس بات کا متقاضی ہے۔ آیت پاک کے اگلے حصے میں یہ ذکر ہے کہ ایمان لائے پھر کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا اور پھر کفر میں بڑھ گئے یہ دلالت کرتا ہے کہ اُن کے قول و فعل میں تضاد رہا اور اسی تضاد کے باعث وہ پورے ایمان دار نہ ہو سکے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے واضح فیصلہ سنا دیا کہ اللہ کے واسطے نہیں ہے کہ اُن کی بخشش کرے یا راہ راست دکھائے۔

اس سے یہ مراد ہوا کہ ایمان لا چکنے کے بعد ایمان لانا یہ ہے کہ جس پر ایمان لا چکے اب اپنی عملی زندگی اُس کے مطابق گزارو جس کا اقرار زبان سے کیا۔ اُس کے ثبوت کے لیے دل اور جان سے اُس کی تصدیق کرو۔ اپنے آپ کو عملی طور پر اطاعت کے سانچے میں ڈھال دو۔ کیونکہ ایمان ایک مخفی حقیقت ہے اور اُس کے اظہار کے لیے عمل کی آزمائش لازمی ہے۔ کیونکہ عمل کے سبب ایمان کا اظہار مترشح ہوتا ہے۔ مخفی حقیقت کو ظاہری حقیقت دینے کے لیے وہ کچھ کرنا ہوتا ہے جو اُس کے لیے لازم ہو۔

ہر صاحب ہوش پر یہ بات عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مخفی خزانہ تھا اُس نے چاہا کہ پہچانا جائے۔ اس پہچان کے لیے اپنے نور سے نور کو خلق کیا۔ اُسے اپنا محبوب بنایا، اُسے اپنا حبیب بنایا۔ پھر ایک کائنات کی تخلیق کا ارادہ کیا۔ اُس کائنات کے وجود اور تواترِ تخلیق کے لیے سب سے پہلے نظام الاوقات دیا۔ اُسی نظام الاوقات کے تحت سب سے پہلے چھے دنوں میں سات آسمانوں اور ایک زمین کو خلق کیا اور پھر ان کے درمیان جو کچھ ہے اُس کی تخلیق کا سلسلہ تا ہنوز موجود اور تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ اس سارے عمل میں مرکزیت اُس نور کی تخلیق کو حاصل ہے جس کے ذریعے اپنی پہچان کروانا مطلوب تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے قبل کی مخلوقات اور

Presented by Ziaraat.com

حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہونے والی انسانی مخلوق جسے اشرف المخلوقات کا عظیم درجہ حاصل ہے سب پر اپنی حاکیت اعلیٰ اور قدرت کاملہ کو تسلیم کرانے اور اپنی کما حقہ معرفت کے بعد ایسی اطاعت و محبت کی بدولت عمل میں آتی ہے کو اپنی چاہت اور رضا قرار دیا۔ اور اطاعت کو ایک سلیقہ دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کے ذریعے ایک ایسا ضابطہ حیات دیا جس میں انسانی ضروریات اور وقتی حالات کے مطابق تھوڑی بہت تبدیلی ممکن رہی اور آخر کا حتمی اصول و ضوابط مرتب کر کے اُس نور ازلی کو وجود عطا فرما کر کائنات میں رائج کرنے کی ذمہ داری سونپی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لیے محبت کو وجود بخشا اور پھر محبت کی خاطر وہ کچھ کر دیا جسے سمجھنے اور سلجھانے میں انسان اپنی بے پناہ کامیابیوں کے باوجود تشنگی کا شکار ہے۔ اطمینان کیسے ہو؟ اُس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو ایمان لاؤ یعنی ایمان کو مزید مضبوط کرتے ہوئے یقین کی منزل پر آ جاؤ۔ اس کا حوالہ پچھلے اوراق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یقین کے بارے میں امام رضا علیہ السلام کے فرمان سے موجود ہے۔ ایمان سے یقین کی حالت میں آ کر اپنا سب کچھ اُس کے حوالے کر دو۔ وہ جو چاہے وہ کرو وہ جو نہ چاہے اُسے ترک کرو۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہر کس و ناکس کے بس میں کہاں ہے کہ وہ براہ راست ممکن کر سکے۔ اس مشکل کا حل بھی معبود مطلق نے دے دیا۔ اگر تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو، میں تجھ سے محبت کروں گا۔ اگر آپ نے اتباع رسولؐ کر لی اور اپنے آپ کو مقام اطاعت اور بندگی پر قائم کر لیا تو اللہ راضی ہو گیا۔ اللہ کے حبیب کی اطاعت و اتباع اللہ کی اطاعت و اتباع ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہی اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔

بس محبت ایک پاکیزہ مخفی حقیقت ہے اس کے اظہار کے لیے عمل کی ضرورت

Presented by Ziaraat.com

ہے اور اسی عمل کو عبادت کہتے ہیں۔ عبادت اصولِ دین کے اندر متعین فروعاتِ دین کی بجا آوری کا نام ہے۔ اُسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نام ہے۔ خالص ہو جانے کا نام اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے خالص ہونا۔ اعمالِ ظاہری، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ریاکاری کے بغیر ادائیگی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تفہیم حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ادراک اور انسانیت کی قدر عبادت کی مختلف جہتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرنے والا اگر شیطانی اعمال کا علم دار ہے تو وہ شیطان کا دوست ہے اور صرف شیطان سے محبت کرتا ہے۔ کیونکہ شیطان خدا اور بنی نوعِ انسان کا دشمن ہے۔ اسی طرح جو شخص رسول ﷺ سے محبت کا دعویدار ہے اُسے رسول ﷺ کے ہر دشمن سے خواہ وہ منافق کے رُوپ میں کیوں نہ ہو خواہ وہ اس کا قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو، اُسے دشمن جاننا ہوگا۔ محمد ﷺ کے دشمن کو اپنا دوست بنا کر اُس کی ساری عبادات اکارت جائیں گی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام اعمال و عبادات کی قبولیت کو اپنے حبیب کی اتباع سے مشروط کر دیا ہے۔ ایسی اتباع جو کسی ڈر اور خوف کی وجہ سے نہ ہو صرف محبت کے سبب ہو۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: ”میں عبادت اس لیے نہیں کرتا کہ مجھے جنت کا لالچ ہے یا مجھے جہنم کا خوف ہے میں تو عبادت اس لیے کرتا ہوں کہ میرا اللہ تو ہے ہی عبادت کے لائق“۔

میرا اللہ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ میرے حبیب (محمد ﷺ) کی اتباع کرو۔ محبت اس لیے نہیں کہ تمھیں کوئی خوف یا لالچ ہو۔ صرف اس لیے کہ میرا حبیب ﷺ محبت اور اتباع کے لائق ہے۔

پارہ ۲۶، سورۂ حجرات، آیات ۱، ۲، ۳:

Presented by Ziaraat.com

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ○

"اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے کسی بات میں آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو تم اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ اس سے اونچی آواز میں بات کیا کرو، جس طرح تم ایک دوسرے سے بلند آواز میں بولتے ہو کہ تمھارے اعمال اکارت جائیں اور تم شعور بھی نہ رکھتے ہو۔ یقیناً وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس دھیمی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے امتحان لے لیا۔ اُن کے لیے بخشش اور بہت بڑا بدلہ ہے"۔

تفسیر صافی، ص ۱۷۱، بحوالہ تفسیر قمی منقول ہے کہ یہ آیت قبیلہ بنی تمیم کے مہمان آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر آپؐ کے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دیتے کہ محمد ہم سے ملنے باہر آیئے۔ اور جب آنحضرتؐ باہر آتے

Presented by Ziaraat.com

تو چلنے میں آپؐ کے آگے آگے چلتے اور جب آپ سے بات کرتے تو اپنی آوازوں کو آپؐ کی آواز سے بلند کرتے اور برابر یہ کہتے: یا محمدؐ! یا محمدؐ! آپ اس معاملہ میں کیا کہتے ہیں اور کیا فرماتے ہیں۔ یعنی بالکل اسی طرح بات کرتے جیسے آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کیا کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

کتنی فکر انگیز بات ہے، کسی عمل کا رسول کے عمل کے خلاف بجالانا یا وہ کام کرنا جسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نہ کیا ہو اور اس کے کرنے سے منع فرمایا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ بات کسی فعل کے سرزد ہونے کی تو کیا، اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند آواز سے بولنے والے ایمان لا چکنے والے پر ناگواری ہوتی ہے۔ بات کرنے میں سبقت ہو یا بلند آہنگی چلنے میں پہل ہو یا کسی بھی نوعیت کا کوئی امر اس کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے، حالانکہ وہ ایمان لا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا ہے۔ جب کہ ایسے لوگ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنی آوازیں دھیمی کرتے ہیں، اُن کے متعلق خدائے لم یزل اُن کی دلجوئی فرماتا ہے۔ اُن کے بارے میں کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے امتحان لیا۔ اُن کے لیے بخشش بھی ہے اور بدلہ بھی۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دھیمی آواز سے بولنے والوں کی عظمت کو سلام! رفعت مقام دیکھئے کہ اُن کے دلوں کا تقویٰ کے لیے امتحان لیا گیا اور فضیلت انھیں عطا ہوئی۔ ائمہ معصومین علیہم السلام کے فرامین اور معتبر روایات سے منقول ہے کہ یہ ایمان والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے اُوجِ معرفتِ رسول پائی جو اس بات پر ایمان یقین کے ساتھ رکھتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر عمل اور ہر بات اللہ کی رضا اور مرضی کے تابع تھی، اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہ کوئی کام کیا، نہ کوئی بات کی۔

Presented by Ziaraat.com

یہ حقیقت بلا شرطِ وقت اور زمانہ ہے بچپن، جوانی اور جوانی سے وصالِ خدا تک ہر امر، الہام، وحی اور روح کے مطابق ہوا۔ جن کا ایمان تھا کہ آنحضرت ﷺ کبھی بہکے اور نہ کبھی گمراہ ہوئے، وہ اللہ تعالیٰ کا معجزہ اور منتخب نورِ علم تھے جس میں جنون اور ہذیان کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ایسے ایماندار تو انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی صف میں ملیں گے۔ یا رسول جس کے متعلق فرما دیں کہ سلمانؓ (سلمان فارسی) تو میری اہلِ بیتؑ میں سے ہے۔ یا یہ فرما دیں کہ ابوذر غفاریؓ سے زیادہ سچا (تمام انسانوں میں) چشمِ فلک نے نہیں دیکھا۔ ایسے شخص کو ہی مومن کہتے ہیں اور مومن تو ایمان، عین الیقین اور حق الیقین، تینوں درجات کا حامل اور امین ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تمہارا ایمان نہیں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا: میرا ایمان ہے کہ تو ایسا کر سکتا ہے مگر میں مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ پس ایک عمل ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام عین الیقین کے درجہ پر پہنچ گئے اور ہر چیز واضح ہو گئی اور جب ابراہیم علیہ السلام کو آتشِ نمرود (نجم) میں ڈالا گیا تو یَا نَارُ کُونِی بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیمَ کے تلطف سے لطف اندوز ہوئے اور حق الیقین کی منزلت پر براجماں ہوئے اور اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری رکھ کر حق الیقین کی معراج کی تصدیق کر دی۔ حق الیقین کی سربلندی اور اطاعتِ خدا میں عجز کی رفعت نے بیٹے کو قربان کرتے ہوئے یقین میں سرمو لغزش نہ آنے دی۔ اور اس اطاعت کے اجر میں اِنِّی جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہوئے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیائے کرام جہاں نبوت اور رسالت کے مراتب سے نوازے گئے وہاں اُن میں سے بعض کو فقر اور بعض کو شاہی (سلطنت) اور بعض کو فقر اور شاہی دونوں طرح کی نعمتوں سے سرفراز

Presented by Ziaraat.com

فرمایا۔ ہر نبی نے اپنے اپنے درجۂ فضیلت کے مطابق اپنے خدائے ذوالجلال کی طرف سے تفویض کردہ فرائض کی ادائیگی کے بعد اطاعت کی معرفت حاصل کی اور بالآخر انسانی تاریخ کی دنیا نے ایک خوب صورت منظر دیکھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان حُسَیْنٌ مِنِّی وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ کو حقیقت کا روپ دیتے ہوئے ۱۰ محرم ۶۱ ھ کو میدانِ کربلا میں سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے اطاعت کو معرفت عطا کر دی۔

سب انبیا نے پائی اطاعت کی معرفت
لیکن حسینؑ تو نے اطاعت کو معرفت دی

Presented by Ziaraat.com

بائیسواں باب

اعمال

وہ طریقۂ کار جو کسی کام کو انجام دینے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے اور جس سے کام کرنے والی شخصیت کے عقیدے کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جا سکے، اُسے عمل کہتے ہیں۔ اور اُس کا یہ عمل دو طرح سے اُس کے عقیدہ کے اظہار کا سبب بنتا ہے:

① مذہب ② سیرت

ابتدائے آفرینش سے انسان دو گروہوں میں منقسم ہو گیا۔ اولادِ آدمؑ سے سلسلہ شروع ہوا۔ ہابیل اللہ تعالیٰ کے گروہ سے تھے اور قابیل شیطان کے گروہ میں چلا گیا۔ ہابیل تمام تر خیر کے ساتھ اسلام پر تھا۔ قابیل تمام تر شر کے ساتھ کفر کا مرتکب ہوا اور کافر ٹھہرا۔ یوں نسلِ انسانی کے شروع ہوتے ہی اسلام اور کفر وجود میں آگئے۔

جس کا ملک ہے جو اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ اُس کا پسندیدہ دین اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی اشاعت اور ترویج کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور اولیاء، صالحین اور ائمہ معصومین علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور انھیں اپنی وحدانیت منوانے کا فرض سونپا۔ اللہ تعالیٰ کے یہ بندے جب پریشان ہوئے کہ لوگ ان کی بات کو نہ سمجھتے ہیں اور نہ ماننے کے لیے تیار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیک بندوں کو حوصلہ دیا کہ تمھارا کام میرا پیغام پہنچانا ہے اگر کوئی نہیں مانتا تو نہ مانے

Presented by Ziaraat.com

اُن کے نہ ماننے سے نہ تو میری ذات کو کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ میری صفات میں کوئی کمی آتی ہے۔

سلسلۂ تبلیغ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا، اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین اور دینِ فطرت ہے مگر اولادِ آدمؑ میں قابیل کا ہابیل کے خلاف ہو جانا ہی اسلام سے بغاوت کا سبب بن گیا۔ روایات کے مطابق قابیل بڑا اور ہابیل چھوٹا تھا۔ جوان ہوئے تو قابیل نے کھیتی باڑی کا کام شروع کیا اور ہابیل نے گلہ بانی (دنبہ، بھیڑ، بکری) کا کام شروع کیا۔ اسی دوران آدم علیہ السلام کو اُن کی شادی کا خیال آیا اور اپنے اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جنیہ کو انسانی شکل دے کر بھیجا اور حکم دیا کہ قابیل سے اس کا نکاح کر دو۔ اُس جنیہ کا نام مختلف روایت میں ''عمالہ'' یا ''جہانہ'' ملتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک حوریہ کو جس کا نام نزلہ ہے، بھیجا اور اُس کا نکاح ہابیل سے کر دیا گیا۔ اس طرح وہ اپنی اپنی زندگی گزار رہے تھے لیکن قابیل اس بات سے ناخوش تھا کہ اُس کی شادی جنیہ سے کی گئی جب کہ ہابیل کے لیے حوریہ کا اہتمام کیا گیا۔ انھی دنوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آدم علیہ السلام نے اپنے نائب اور خلیفہ کا اعلان کر دیا کہ ہابیل میرا خلیفہ اور نائب ہے۔ قابیل کو اس بات کا رنج ہوا اور اپنے والد حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ ہابیل کو آپ نے خلیفہ اپنی مرضی سے مقرر کیا ہے یا یہ خدا کا حکم ہے۔ جناب آدم علیہ السلام نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ میں نے اپنی مرضی سے کچھ نہیں کیا۔ قابیل نے کہا: ہابیل عمر میں مجھ سے چھوٹا ہے اور میں بڑا ہوں، خلافت میرا حق بنتا ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہابیل کو خلیفہ نامزد کیا ہے۔ مگر قابیل مطمئن نہ ہوا۔ اصرار بڑھنے پر آدم علیہ السلام نے کہا کہ تم دونوں قربانی دو، جس کی قربانی منظور ہو گئی وہ خلیفہ ہوگا۔

قابیل چونکہ زراعت پیشہ تھا اُس نے قربانی کے لیے کچھ گندم اور دیگر اناج

Presented by Ziaraat.com

ایک پہاڑی پر رکھ دیا اور ہابیل کے پاس دنبے وغیرہ تھے پس اُس نے اُس اناج کے ساتھ ایک دنبہ کھڑا کر دیا۔ اچانک آگ کا شعلہ آیا اور دنبہ کو جلا کر راکھ کر دیا اور اناج صحیح وسلام پڑا رہا۔ اُس وقت قربانی کی منظوری کا یہ معیار مقرر تھا کہ آگ جس چیز کو جلا دیتی یا اٹھا لیتی اُس کو منظوری سمجھا جاتا تھا۔ روایات میں ہے کہ آگ کے ذریعے قربانی کی منظوری کو جانچنے کا سلسلہ بنی اسرائیل تک قائم اور جاری رہا۔

اس کے بعد قابیل اور بھی سرکشی پر اُتر آیا۔ اب شیطان کو بھی موقع مل گیا اور اُس نے قابیل کو مزید بھکایا اور اشتعال دلایا کہ ہابیل کو قتل کر دو۔ جب ہابیل ہی نہ ہوگا تو تم ہی خلیفہ ہو گے کیوں کہ آدمؑ کی ابھی دوسری کوئی اولاد نرینہ نہ ہے پھر اُسے قتل کی ترکیب بھی سکھائی اور جب آدمؑ حج کے لیے عازم مکہ ہوئے تو قابیل کو موقعہ مل گیا اُس نے ہابیل کو قتل کر دیا۔

جب آدمؑ واپس آئے تو سزا کے خوف سے بھاگ گیا اور عدن (یمن) کے علاقہ میں قیام کیا۔ اب شیطان نے اُسے مزید ورغلایا اور بھکایا اور کہا کہ آگ ہی افضل ہے۔ تمھاری قربانی میں آگ ہی نے فیصل کا کام سرانجام دیا ہے۔ لہٰذا سمجھ اور اس آگ کی پوجا کر اسی میں تیری نجات ہے۔ پس اُس نے آگ کی پرستش شروع کری دی اور اُس دن سے اسلام کے خلاف ایک نیا دین آتش پرستی وجود میں آ گیا اور شیطان کی حضرت آدمؑ اور اولاد آدمؑ کے خلاف سب سے بڑی کامیابی تھی۔ اس طرح قابیل نئے مذہب آتش پرستی کا بانی ٹھہرا۔ اب روئے زمین پر دو مذاہب (ادیان) اسلام اور آتش پرست وجود میں آ چکے تھے۔ حضرت آدمؑ کی وفات کے وقت اُن کی نسل کی افزائش کی صورت میں تقریباً چالیس ہزار نفوس پر آبادی مشتمل تھی۔ اور اُدھر قابیل کی نسل کا سلسلہ افزائش بھی جاری رہا اور بالآخر حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کی نذر ہو گیا۔

Presented by Ziaraat.com

جوں جوں نسلِ انسانی میں اضافہ ہوتا گیا جہاں وہ سماجی، معاشی اور معاشرتی عروج وزوال سے دو چار رہا وہیں وہ عقیدت اور عقل کی بلندی اور پستی کا بھی شکار ہوا۔ جزوی طور پر خطا جیسی انسانی کمزوری اور ابلیسیت کی کارستانی نے ہر دور میں اپنا رنگ دکھایا اور دینِ اسلام کے مقابل کئی ادیان نے نمو پائی۔

آتش پرستی، بُت پرستی، نجم پرستی، سورج کی پوجا، شجر و حجر کی پوجا الغرض شیطان نے وہ کارنامہ کر دکھایا کہ انسان خود ہی خدا بن بیٹھا اور اپنے جھوٹے دعویٰ کو سچ ثابت کرنے کے لیے وہ کچھ کر گزرا جہاں تک اس کے لیے ممکن تھا۔ ایسے عوامل بھی اس گمراہی کے رُوپ میں موجود ہیں۔

تاریخ کروٹیں بدلتی رہی اور انسان بھی اپنی جہتیں تبدیل کرتا رہا۔ اپنی عقیدت میں خامی کے باعث اللہ تعالیٰ کے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ ہونے سے منحرف ہوگیا۔ کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا تو کسی نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ دیا اور کسی نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہہ دیا۔

کفار مشرکین بُت پرستی میں نجات سمجھنے لگے۔ صابی نجم پرستی کو ذریعہ نجات سمجھے۔ گوسالہ پرستی اور بت پرستی ہندو ازم کی اساس قرار پایا۔ اس ساری بحث کا مطلب یہ ہے کہ جس کا جو بھی عقیدہ ہے وہ اُسی کو اپنا مذہب قرار دیتا ہے اور اُس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ کسی بت کے سامنے ہاتھ باندھ کر اور رو رو کر حاجات طلب کرنے والے شخص کو دیکھتے ہیں۔ اندازہ ہو جائے گا کہ وہ مشرک اور ہندو ہے۔ کیونکہ وہ اپنے ہی ہاتھ سے تراشیدہ بت کی پوجا میں مصروف ہے اور اگر کوئی شخص اپنی حاجات کے پورے ہونے کے لیے آگ کی پرستش میں مصروف ہو تو لازمی طور پر سمجھا جائے گا کہ وہ آتش پرست ہے اور اگر کوئی فرد ایسے عالم میں حاجت طلبی کے لیے لب کشا ہو کہ اُس کے سامنے نہ تو بت ہو نہ آگ نہ کوئی جانور ہو اور طریقہ

Presented by Ziaraat.com

کار بھی جدا گانہ ہو اور زبان پر اُس کا نام ہو جو لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیءٌ کا مصداق ہے اور وہ رُو بہ کعبہ ہو تو اُسے دیکھ کر فوراً یہ یقین ہوگا کہ یہ شخص مسلمان ہے یعنی کسی بھی دین کے حامل کا اُس کے اعمال سے اُس کے دین کا اظہار ہوتا ہے۔

اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے کہ دین کو قائم کرو۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ دین کو کیسے قائم کیا جائے؟ آپؑ نے فرمایا: "نماز، روزہ، حج زکوٰۃ اور دیگر فروعات دین کی بجا آوری محمدؐ و آل محمدؐ کی اتباع میں ہونے کا نام دین کو قائم کرنا ہے"۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

"قسم ہے عصر کی یقیناً انسان خسارے میں ہے، سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور صالح اعمال کیے اور وہ حق کی وصیت کرتے رہے اور آپس میں صبر کی وصیت کرتے رہے"۔

اس سورۂ پاک میں اُس انسان کے گھاٹے میں رہنے کی بات ہے جو نہ تو ایمان لایا اور نہ ہی نیک عمل کیا اور حق اور صبر کی وصیت سے بھی محروم رہا۔ اور جو ایمان لایا نیک عمل کیے، حق اور صبر کی وصیت کی وہ کامیاب رہا۔

تفسیر صافی، ص ۵۳۰ پر بحوالہ الاکمال، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ وَالْعَصْرِ سے مراد صاحب العصر کے خروج اور ظہور کا زمانہ ہے اور انسان کے خسارے میں ہونے سے مراد ہم ائمہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناشناس ہیں۔ ایمان لانے کے بعد اعمال صالح کا ہونا بھی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اہل بیت رسولؐ سے مشروط ہے۔

اُصول دین توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت پر ایمان لانے کے بعد

Presented by Ziaraat.com

ان ہی اصولوں کے تتبع میں فروعاتِ دین کو بجالانا واجب قرار دیا۔ فروعاتِ دین کا ہر رکن مہم ترین ہے مگر نماز انتہائی اہم ہے کیونکہ فرمانِ نبی ﷺ ہے کہ: ''نماز قبول ہوگئی تو اُس کے باقی اعمال کی اجابت ہوگی اور جس کی نماز قبول نہ ہوئی، اُس کا کوئی عمل قبول نہ ہوگا''۔ چونکہ نماز کی قبولیت کو دیگر اعمال کی قبولیت کی سند قرار دیا گیا ہے لہٰذا اگلے صفحات میں نماز ہی کو زیرِ بحث لایا جائے گا چونکہ نماز کو لسانی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ پس دین کی عمارت کی تعمیر میں بنیاد پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ مضبوط بنیاد ہی مضبوط عمارت کو وجود دے سکتی ہے۔

قرآنِ حکیم میں مختلف زاویوں اور انداز سے نماز کے بارے میں تقریباً سات سو مرتبہ حکم ہے۔ اور تقریباً اڑھائی سو مرتبہ واضح الفاظ میں نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اس شدت سے اتنی بار نماز کے حکم سے نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ نماز کیا ہے، اس کے اوقات کیا ہیں، نماز کی رکعات کتنی ہیں۔ واجب کیا ہیں اور سنت کیا ہے وغیرہ۔

وجودِ آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے نماز کا اپنے انفرادی ارکان کا تصور موجود تھا جو کہ ملائکہ کے لیے مخصوص تھا یعنی ملائکہ میں سے کچھ ایسے ہیں جو حالتِ قیام میں ہیں، کچھ حالتِ رکوع میں ہیں، کچھ حالتِ سجدہ میں تو کچھ حالتِ قعدہ میں ہیں اور سب کے سب حمد و تسبیح و تحلیل میں مصروف ہیں۔

تفسیر صافی بحوالہ تفسیر قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ لوگوں نے دریافت کیا کہ فرزندِ رسولؐ! کیا فرشتے سوتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہاں فرشتوں کو بھی نیند آتی ہے۔ وہ اعضاء و جوارح رکھتے ہیں، ذی روح ہیں سانس لیتے ہیں۔ مگر اُن میں انسانوں اور جنوں جیسی خواہشات نہیں''۔

چونکہ اُن کی اور خواہشات نہیں اس لیے انھیں کسی اور چیز کا خیال آنا ممکن

Presented by Ziaraat.com

نہیں۔ وہ سوتے ہیں تو بھی اُن کی عبادت مسلسل شمار ہوتی ہے۔

تمام ملائکہ کے طرز عبادت کو یکجا کر کے ادا کرنے کا نام نماز ہے اور اس طرح نماز کی پہلی ادائیگی حضرت آدم علیہ السلام سے وقوع پذیر ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جب زمین پر اُتارا گیا تو وہ بہت پریشان تھے اور گریہ و آہ و زاری ہی سے کام تھا کہ اچانک رات ہو گئی کیوں کہ آدم علیہ السلام نے قبل ازیں رات نہیں دیکھی تھی۔ وہ سخت حیران تھے اور ساری رات جاگتے رہے۔

اس سلسلہ میں علامہ عبدالواحد حنفی رقم طراز ہیں: آدم علیہ السلام کے رات بھر جاگنے اور گریہ و زاری کو اولادِ آدمؑ پر سنت قرار دیا گیا۔ (عجائب القصص، ص ۴۳) اس کے علامہ مجلسیؒ حیات القلوب جلد نمبر ا، ص ۷۴ میں لکھتے ہیں: آدم علیہ السلام نے مسلسل تین دن اور تین راتیں شب بیداری میں گزاریں اور آہ و بکا اور گریہ و زاری کرتے رہے۔

الغرض، آدم علیہ السلام نے اپنی پہلی شب گزارنے کے بعد جب طلوعِ صبح کا منظر دیکھا تو ذرا اطمینان ہوا۔ عین اُسی لمحے جبرائیلؑ کا نزول ہوا اور آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ دو رکعت نماز ادا کرو۔ ایک رکعت رات کی ظلمت کے گزر جانے اور دوسری رکعت صبح ہونے کے شکرانے میں چنانچہ آدم علیہ السلام نے دو رکعت نماز دا کی۔ اسی بنا پر اولادِ آدمؑ پر دو رکعت نمازِ صبح واجب کی گئی ہے۔

اسی طرح قرآنِ مجید اور تفاسیر میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حکم پر اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹایا اور اُن کے گلے پر چھری رکھی اور جب اپنی آنکھوں سے پٹی کھولی تو آپ نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو زندہ و سلامت دیکھا۔ وہ وقت ظہر کا تھا۔ سورج کو زوال ہو چکا تھا آپ بہت مسرور اور خوش ہوئے اور چار رکعت نماز ادا کی اور ان چار رکعت کی تفصیل کچھ یوں ہے:

Presented by Ziaraat.com

پہلی رکعت تعمیلِ حکم کی توفیق کے شکرانے میں،
دوسری رکعت خدا کی طرف اسے تعمیلِ حکم کی تصدیق کے شکرانے میں
تیسری رکعت تصدیق کے سلسلہ میں جو آواز آسمان سے آئی تھی اُس کے شکرانے میں
چوتھی رکعت ذبیحہ کا فدیہ آجانے کے شکرانے میں ادا کی۔

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے اور مچھلی پانی میں تیز تیز چکر لگانے لگی تو انھوں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کا ورد شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ کو شیشے کی مانند کر دیا اور اس قدر شفافیت تھی کہ حضرت یونسؑ علیہ السلام عجائبات اور آبی جانوروں کو دیکھنے لگے اور جب حکمِ خدا سے پانی سے باہر آئے تو وہ وقت عصر کا تھا، انھوں نے (۱) تاریکیٔ راہ (۲) تاریکیٔ لغزش (۳) تاریکیٔ آب (۴) تاریکیٔ شکم سے نجات پائی اور اس نجات پانے کے شکرانے میں چار رکعت نماز ادا کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی تو قوم نے الزام واتہام لگائے پھر ایسا وقت آیا کہ وہی لوگ آپؑ کو ابن اللہ کہنے لگے۔ عقیدے میں اس قدر بگاڑ آیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہنے لگے، جس وقت جناب مریم علیہا السلام کو ستایا گیا وہ وقت مغرب کا تھا۔

(۱) پس حضرت عیسیٰؑ اپنے اظہار بندہ اور دفع الزام ربوبیت کے لیے
(۲) اپنی ماں کی طرف سے شکرانہ ولادت کے لیے
(۳) اقرار وحدانیت اور اثبات توحید کے لیے تین رکعت نماز ادا کی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی وفات کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وطن واپسی کے لیے تیار ہوئے تو راستہ میں رات آگئی۔ سخت بادل، بارش اور گرج چمک کا

Presented by Ziaraat.com

سامنا تھا۔ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام کو چار پریشانیاں اور غم لاحق تھے: (۱) عیال کا غم (۲) فرزند کا غم (۳) بھائی کا غم (۴) دشمن کی طرف سے پریشانی کا غم۔

اس عالم میں ہاتف سے آواز آئی: اے موسیٰ! گھبراؤ نہیں اور کسی قسم کا غم نہ کرو۔ میں جو ہوں میں تمھیں ہر غم سے نجات دلاؤں گا اور تمھاری شکل میں مشکل کشائی کروں گا۔ تیری پریشانی کو آسانی اور راحت میں بدل دوں گا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلی ہوئی اور حصول اطمینان پر چار رکعت نماز ادا کی وہ عشاء کا وقت تھا۔ (عجائب القصص، ص ۳۵)

اس سلسلہ میں امکان غالب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں دو رکعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں چار رکعت، حضرت یونس علیہ السلام کے دور میں چار رکعت، عہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تین رکعت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں چار رکعت نماز واجب رہی ہو اور عہد رسول اکرم (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ان سب کو جمع کر کے پانچ نمازوں کی دائگی کا حکم دیا گیا ہو۔ اس طرح آج کا نمازی تو اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ کی مکمل تفسیر نظر آتا ہے کیونکہ وہ ہر نبی کی سنت پر عمل پیرا ہے اور بارگاہ احدیت میں سرخرو ہو رہا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین ہمہ وقت اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور اُن پر اُن کی امتوں کی آسانیوں کے لیے مختلف اَدوار میں ایک ایک کر کے پانچ اوقات کی نمازیں واجب ہوئیں۔

چونکہ نماز معبود حق کی عبادت اور اُس سے براہ راست کلام اور حاجت روائی کے لیے دُعا کرنے کا نام ہے اس لیے یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے جو انبیائے کرام کو بھی اور اُن کے ذریعے اُمتوں کو

Presented by Ziaraat.com

بھی عطا کی گئی۔ بالآخر سارے انبیاء اور امتوں کی نعمتوں کو یکجا کر کے اُسے نعمتِ عظمیٰ بنا کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی امت کے لیے مخصوص کر دیا۔ آنحضرت ﷺ حبیبِ ربِ کبریا ہیں، وجۂ تخلیقِ کائنات ہیں۔ رب العالمین کے مصطفیٰ اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ ﷺ کو پوری کائنات میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو عبادات کے عمل میں ایک خاص اضافی نعمت عطا فرمائی یعنی نمازِ شب (نمازِ تہجد)۔ اس نمازِ تہجد کو اپنے حبیب ﷺ پر فرض اور واجب قرار دیا جبکہ آپؐ کی امت پر امت کی آسانی کے لیے سنت قرار دیا۔ اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے لیے فرض اور واجب نمازوں کی تعداد چھے ہو گئی جو مختلف چھے اوقات میں ادا کی جاتی ہیں اور ان چھے اوقات کا تخلیقِ ازل سے گہرا رابطہ ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ

"اور یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو جو کچھ اُن کے درمیان ہے، چھے دنوں (اوقات) میں پیدا کیا اور ہمیں تھکاوٹ نے چھوا تک نہیں"۔

خالقِ موت و حیات نے چھے دنوں (اوقات) میں زندگی کے متعلق ہر چیز کو بنا دیا اور ایک نظام الاوقات دیا اور اسی کے تحت اپنے آخری نبی ﷺ کو اور اُن کی اُمت کی زندگی کو حقیقی زندگی بنانے اور اُسے سنوارنے کے لیے چھے اوقات کی نمازوں کا تحفہ عطا فرمایا اور انھیں فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ سے جوڑ دیا۔

یہ چھے ایام کیا ہیں؟ اُن کی ترتیب کیا ہے؟ اس سلسلہ میں پہلے بھی ذکر کیا

Presented by Ziaraat.com

جاچکا ہے کہ تخلیقِ کائنات میں سب سے پہلی تخلیق نورِ مصطفیٰ ﷺ اور دوسری تخلیق ایام کی یعنی وہ نظام الاوقات جس کے مطابق کائنات کی تخلیق اور ترتیب کا عمل ظہور پذیر ہوا۔

رسول اکرم ﷺ کی معتبر احادیث میں ہے کہ جب خالقِ کل نے آسمان کو بخارات اور دھوئیں سے اور زمین کو پانی کے گاڑھے پھین سے خلق فرمایا تو ان دونوں کے سات سات طبقے قرار دیئے۔ بعد میں ہر طبقہ کا علیحدہ علیحدہ نام رکھا گیا ہے۔ یہ نام حکمائے متقدمین نے رکھے ہیں اور ان ناموں کو راویانِ حدیث نے مانا اور تسلیم کیا ہے۔

کتاب سراج القلوب میں علامہ ابو نصر محمد القطائی الغزنوی لکھتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلا آسمان زبرجد سبز سے پیدا کیا گیا اور اس کا نام "برقعا" ہے۔

☼ دوسرا آسمان نقرۂ خام یعنی چاندی سے بنا ہے اور اس کا نام "اقلوم" ہے۔

☼ تیسرا آسمان سرخ یاقوت سے بنا ہے اور اس کا نام "قیدوم" ہے۔

☼ چوتھا آسمان سفید موتی سے بنا ہے اور اس کا نام "ماعون" ہے۔

☼ پانچواں آسمان سرخ سونے کا بنا ہوا ہے اور اس کا نام "دقو" ہے۔

☼ چھٹا آسمان زمرد سبز سے بنا ہے اور اس کا نام "برشا" ہے۔

☼ ساتواں آسمان بھی چوتھے آسمان کی طرح سفید موتی سے بنا ہوا ہے اور اس کا نام "رقیع" ہے۔ اس پر جو فرشتے ہیں وہ رُوح اور حاملانِ عرش کے علاوہ باقی جملہ فرشتوں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت وحرمت میں عظمت اور فضیلت رکھتے ہیں۔

امام ابن اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی نے اپنی کتاب "قصص الانبیاء"

Presented by Ziaraat.com

المعروف بہ عرائس ثعلبی میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ یہی کچھ لکھا ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے متعلق مشکوۃ شریف صفحہ ۵۰۲ پر بحوالہ مسلم شریف ابو ہریرہؓ سے ایک روایت نقل ہے کہ جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ خلاق عالم نے زمین کو ہفتہ کے دن، پہاڑ اتوار کے دن، اشجار پیر (سوموار) کے دن، مکروہات منگل کے دن اور نور بدھ کے دن پیدا فرمایا اور چوپایوں کو جمعرات کے دن (خمیس کے دن) پیدا کیا۔ اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا کیا۔ یہی مضمون عرائس ثعلبی کے صفحہ ۵ پر ہے۔

تاریخ طبری صفحہ ۹، جلد نمبر ۱ میں ہے کہ خداوند عالم نے چھٹے دن میں ساری کائنات تخلیق فرمائی۔ تفسیر مدارک میں بھی اسی سے ملتی جلتی بات کی گئی ہے۔ جبکہ امام ابو اللیث کے مطابق پنج شنبہ (جمعرات) آسمان کی پیدائش عمل میں آئی اور جمعہ کو ستارے شمس و قمر اور ملائکہ پیدا ہوئے اور اُسی دن کے آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کی تکمیل ہوئی۔

ابو اللیث کے علاوہ تمام راویوں نے جمعہ کے دن صرف حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت بیان کی ہے۔ اسی طرح زمینوں کے نام بھی ہیں، امام ثعلبی اور ابونصر غزنوی نے واہب ابن منبہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے: ٭ زمین اول کا نام "ادیما" ٭ زمین دوم کا نام "بسیطا"، ٭ زمین سوم کا نام "ثقیلا"، ٭ زمین چہارم کا نام "بطحا" ٭ زمین پنجم کا نام "ملقا قلہ" ٭ زمین ششم کا نام "ماسکہ" ٭ زمین ہفتم کا نام "ثریٰ" ہے۔ (عرائس ثعلبی، ص ۵ و سراج القلوب، ص ۸)

امام ثعلبی نے ان چیزوں کا ذکر کیا ہے کہ جن سے زمین کو زینت ملی۔ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ خداوند عالم نے زمین کو آل محمد ﷺ کے وجود پاک سے

Presented by Ziaraat.com

خصوصی زینت بخشی اور وہ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ ہیں اور پھر اُنھوں نے انس ابنِ مالک کے حوالے سے ایک حدیث تحریر فرمائی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے مسلمانو! جب آفتاب نہ رہے تو ماہتاب سے تمسک کرنا اور جب ماہتاب نہ رہے تو زہرہ سے تمسک کرنا اور جب زہرہ نہ رہے تو "فرقدین" سے تمسک کرنا پھر فرمایا:

> اَنَا الشَّمْسُ وَعَلِیُّ الْقَمَرُ وَفَاطِمَۃُ الزَّھْرَا وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ فَرْقَدَانِ، فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی لَایَفْتَرِقَانِ حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ
>
> "آفتاب سے مراد مَیں ہوں۔ ماہتاب سے مراد علیؑ، زہرہ سے مراد فاطمہ زہراؑ ہیں اور فرقدان سے مراد حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ میں نے جو مقصد ظاہر کیا ہے یہ کتابِ خدا کی منشا کے مطابق ہے اور یہ حوضِ کوثر پر پہنچنے سے پہلے ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے"۔

درج بالا آیت قرآنی اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں واضح ہوا کہ چھے دن میں سب کچھ مکمل ہے اور جمعہ کا دن علیحدہ کر دیا گیا اور اس یوم جمعہ کو تمام ایام پر فضیلت عطا کی۔ خلاقِ عالم نے اس دن کو اپنے اور اپنے حبیبؐ کے نورِ پاک کی جلوہ نمائی کے لیے مختص فرمایا۔ جب سب کچھ مکمل ہو چکا تو اللہ تعالیٰ تختِ عرش پر مستوی (جلوہ افروز ہوا) میثاقِ اَلست ہوا۔ اپنی ربوبیت اور احدیت کے ساتھ اپنے حبیبؐ کی عظمت کا اعتراف کروایا، اُس کی اور اُس کی آلِ پاک کی اطاعت کا وعدہ لیا۔

جمعہ کے دن کو قیامت تک کے آنے والے اہم ترین واقعات کے لیے مخصوص فرما کر اس کی رفعت و عظمت کو معراج عطا کر دی۔ مثال کے طور پر:

Presented by Ziaraat.com

۱ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کی تکمیل جمعہ کے دن بوقت عصر انجام پائی۔

۲ حضرت آدم اور حوا علیہا السلام کی مقام عرفہ پر معافی کے بعد ملاقات ہوئی وہ یوم جمعہ تھا۔

۳ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب یہودیوں نے مصلوب کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو بحفاظت آسمانوں پر اٹھالیا، اُس وقت عصر کا وقت تھا اور جمعہ کا دن تھا۔

۴ میدانِ کربلا میں نفسِ مطمئنہ نے ۱۰ محرم الحرام کو زندگی عطا کی اور اس وقت بھی عصر کا وقت اور جمعہ کا دن تھا۔

۵ احادیث نبویؐ اور روایات کے مطابق جمعہ کے دن ہی قیامت واقع ہوگی۔

۶ ظہور ظاہری وجہ اللہ امیر المومنین علی علیہ السلام ۱۳ رجب ۳۰، عام الفیل بروز جمعہ ہوئی نیز یہ کہ احادیث میں جمعہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے جمعۃ المبارک کو مسلمانوں اور مومنین کے لیے عید کا دن قرار دیا گیا کہ لوگ جمعہ کے دن کو ایسے منائیں جیسے عید کا دن منایا جاتا ہے۔

جمعۃ المبارک کے دن نماز ظہر کی چار رکعت کی بجائے دو رکعت میں تبدیل کر دیا گیا بالکل ایسے ہی ہے جیسے نماز قصر مومن کی سفری تھکان کو آسودگی دینے کے لیے اللہ کریم کی طرف سے خاص رعایت عطا فرمائی گئی ہے بلکہ جمعہ کے دن اور اس کی فضیلت کو بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں ایک پوری سورہ "الجمعہ" کے نام سے نازل فرمایا، جس کی ابتدا کچھ یوں ہے: "جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے جو حقیقی بادشاہ پاک ذات اور غالب حکمت والا ہے وہی تو ہے جس نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا (امیین میں سے) جو اُن کے سامنے اس کتاب کی آیتیں پڑھتے اور اُن کو پاک کرتے ہیں اور

Presented by Ziaraat.com

اُن کو کتاب (قرآن) اور حکمت یعنی عقل کی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اگرچہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریحا گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ اور اُن میں سے اُن لوگوں کی طرف بھی بھیجا جو ابھی تک اُن سے ملحق نہیں ہوئے وہ تو غالب حکمت والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور خدا تو بڑے فضل و کرم کا مالک ہے۔ جن لوگوں کے سروں پر تورات لدوائی گئی پھر اُنھوں نے اس کے بار کو نہ اٹھایا، اُن کی مثال گدھے کی سی ہے، جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں، جن لوگوں نے خدا کی آیتوں کو جھٹلایا اُن کی بھی کیا بری مثال ہے اور خدا تعالیٰ ظالم لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا۔

اے رسولؐ! تم کہہ دو، اے یہودیو! اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اور دوسرے لوگ نہیں ہیں تو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو اور یہ لوگ ان اعمال کے سبب جو یہ پہلے کر چکے ہیں کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے اور خدا تو ظالموں کو جانتا ہے۔

اے رسولؐ! کہہ دو کہ تم موت سے بھاگتے ہو وہ تو ضرور تمھارے سامنے آئے گی پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کیے جاننے والے خدا کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے۔ پس جو کچھ بھی تم کرتے تھے وہ تمھیں بتا دے گا۔

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے اذان دی جائے تو خدا کی یاد (نماز) کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو اگر تم سمجھتے ہو تو یہی تمھارے حق میں بہتر ہے پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں جہاں چاہو جاؤ اور خدا کے فضل سے اپنی روزی کی تلاش کرو۔ اور خدا کو بہت یاد کرتے رہو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور ان کی حالت تو یہ ہے کہ جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھیں تو اُس کی طرف ٹوٹ پڑیں اور تم کو کھڑا ہوا چھوڑ دیں۔

Presented by Ziaraat.com

اے رسولؐ! کہہ دو جو چیز خدا کے ہاں (پاس ہے) وہ تماشے اور سودے سے کہیں بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے یوم جمعہ کی افضلیت بیان فرمائی ہے تو ساتھ نماز جمعہ کی فضیلت بتائی ہے اور واضح فرمایا ہے کہ جو لوگ نماز جمعہ کے لیے بلائے جانے کے باوجود خرید و فروخت اور کھیل تماشے میں لگے رہتے ہیں وہ لوگ فلاح اور خدا کے فضل سے دور ہو جاتے ہیں بلکہ یہ کہہ دیا کہ سودے اور تماشے میں جو چیز انھیں نظر آتی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس سے کہیں بہتر ہے۔ واضح اشارہ رزق کی طرف ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے جس شدت سے حکم دیا گیا ہے اُس سے اُس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں کثیر مرتبہ نماز کا حکم ملتا ہے۔ اس لیے یہ بات سمجھنا انتہائی ضروری ہے کہ جب اتنی اہم چیز انسان کو نعمت کی صورت میں عطا فرمائی تو یقیناً اس کی ادائیگی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے، جس کے لیے ہمیں رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات سے رجوع کرنا ہوگا کہ وہ ہی تو ذریعہ ہیں جن سے رہنمائی مل سکتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے نماز کے احکامات کے بارے میں ایک اجمالی اظہار ضروری ہے۔

پارہ ۶، سورۃ المائدہ، آیت ۱۲:

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ

Presented by Ziaraat.com

"اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ میں تو یقیناً تمھارے ساتھ ہوں۔ اگر تم بھی پابندی سے نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور ہمارے نبیوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کرتے رہو اور خدا کی خوشنودی کے واسطے لوگوں کو قرض حسنہ دیتے رہو تو میں بھی تمھارے گناہ تم سے ضرور دور کر دوں گا اور تم کو بہشت کے اُن ہرے بھرے باغوں میں پہنچا دوں گا، جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ پھر تم میں سے جو شخص اس کے بعد بھی انکار کرے تو یقیناً وہ راہِ راست سے بھٹک گیا"۔

پارہ ۲، سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۳:

يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ اِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

"اے ایمان والو (مصیبت کے وقت) صبر اور نماز کے ذریعے سے خُدا کی مدد مانگو بے شک خدا صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے"۔

سورۂ مائدہ کی آیت ۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کو نوید سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۵۳ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ سے مدد مانگو، صبر اور نماز کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نماز پابندی کے ساتھ پڑھنے والے، زکوٰۃ دینے والے اور اس کے ساتھ صبر کرنے والے کے ساتھ ہے۔

پارہ ۵ سورۂ نساء، آیات ۱۰۲، ۱۰۳ ارشاد ربانی ہے: اے رسولؐ! اگر تم حالتِ جنگ میں ہو اور نماز پڑھانے لگو تو اپنے ساتھیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر دو، ایک کو لڑائی کے لیے چھوڑ دو اور ایک کو نماز پڑھاؤ، نماز پڑھنے والا گروہ دوسری

Presented by Ziaraat.com

رکعت فرادیٰ اور بہت جلدی ادا کرے اور شریکِ جنگ ہو جائے اور جو گروہ ابھی نماز نہیں پڑھ پایا وہ جلدی سے دوسری رکعت میں شامل ہو جائے اور تمہارے ساتھ نماز پڑھے"۔ علیٰ ہذا القیاس جب تم دشمنوں سے مطمئن ہو جاؤ تو اپنے معمول کے مطابق نماز پڑھا کرو کیونکہ نماز تو ایمان داروں پر وقتِ معین کر کے فرض کی گئی ہے۔

اس آیۂ مبارکہ میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ حالتِ جنگ میں بھی نماز کی معافی نہ ہے۔ نماز باجماعت کی اہمیت کی وضاحت کے ساتھ ایمان داروں کو معین و مقررہ وقت پر ہی نماز کا پڑھنا فرض کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو نماز کی ادائیگی میں غفلت اور تساہل ہرگز برداشت نہ ہے۔ ایمان داروں (مومنون) کی نشانی یہ ہے کہ وہ وقتِ مقررہ پر نماز پڑھتے ہیں۔

پارہ ۹، سورۂ اعراف، آیت ۱۷۰:

وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ

"اور جو لوگ کتاب خدا کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور پابندی سے نماز پڑھتے ہیں اس کا ثواب ضرور ملے گا کیونکہ ہم ہرگز نیکوکاروں کا ثواب برباد نہیں کرتے"۔

اس آیۂ مجید میں اللہ تعالیٰ نے پابندی کے ساتھ کتاب خدا کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کو جوڑ دیا ہے اور جو لوگ اس پر عمل پیرا ہوں انھیں نیکوکاروں کے لقب سے نوازا ہے۔

پارہ ۹، سورۂ انفال، آیت ۳، ۴:

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ

Presented by Ziaraat.com

وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

''جو لوگ نماز کو پابندی سے ادا کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں دیا ہے اُس میں سے ہماری راہ (راہِ خدا) میں خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ تو سچے مومن ہیں، ان ہی کے لیے اُن کے پروردگار کے پاس بڑے بڑے درجے ہیں اور بخشش اور عزت وآبرو کے ساتھ روزی ہے۔

يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ کا مطلب ہی یہ ہے کہ پابندی کے ساتھ نماز کا ادا کرنا اس آیۂ مجیدہ میں بھی نماز کو پابندی کے ساتھ پڑھنے، زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لیے ایک سرٹیفکیٹ جاری کر دیا گیا کہ یہی لوگ سچے مومن ہیں اور اُن کے درجات بہت بلند ہیں۔

پارہ ۱۲، سورۂ ہود، آیت ۱۱۴، فرمان ہے:

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِينَ

''اے رسولؐ! دن کے دونوں کنارے اور کچھ رات گئے نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں یقیناً گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ اور ہماری یاد کرنے والوں کے لیے یہ باتیں نصیحت اور عبرت ہیں''۔

اس آیۂ مجیدہ میں نماز کو پابندی کے ساتھ پڑھنے کے ساتھ پنجگانہ نماز کے اوقات کی بھی نشان دہی کر دی گئی ہے اور یہ نشان دہی اپنے پیارے حبیب سے مخاطب ہو کر کی اور اُن پانچ اوقات کی نشان دہی اور اُن کا تعین ہمیں آپؐ سے ملا ہے۔ کیونکہ دونوں کنارے سے مراد طلوع سے غروب آفتاب تک (نماز فجر، ظہر اور عصر) اور کچھ رات گئے سے مراد نماز مغرب اور نماز عشاء ہیں۔ اس سے قبل پچھلے

Presented by Ziaraat.com

باب میں تفصیلاً پانچ اوقات کا ذکر کیا گیا ہے۔

پارہ ۱۸، سورۂ نور، آیت ۳۷ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ایسے لوگ جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تو تجارت غافل کر سکتی ہے اور نہ ہی خرید و فروخت کا معاملہ کیونکہ وہ لوگ اُس دن سے ڈرتے ہیں جس میں خوف کے مارے دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ اس کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تا کہ خدا انھیں ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ اور اپنے فضل و کرم سے کچھ اور زیادہ بھی دے اور خدا تو جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ○ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

اس آیۂ مجیدہ کا ترجمہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔ اس لیے پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے والوں اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے مقام و مرتبہ کا تعین کر کے لوگوں کو ترغیب دی ہے اور وہ بلند مرتبہ لوگ ایسے ہیں جو خرید و فروخت یا تجارت کی مصروفیت کو غفلت کا سبب نہیں بننے دیتے اور اپنی نمازوں کو پابندی کے ساتھ اپنے مقررہ وقت پر ادا کرتے ہیں۔

پارہ ۱۸، سورۂ نور، آیت ۲۹، ۳۰:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

"اور نماز پابندی سے پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے"۔

Presented by Ziaraat.com

یہاں اللہ تعالیٰ نے نماز کے پابندی کے ساتھ پڑھنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی اطاعت کو یکجا کر دیا ہے اور اُس پر ایک شرط یہ بھی عائد کر دی کہ صرف اسی طرح ہی تم پر رحم کیا جائے وگرنہ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی اطاعت کے بغیر (اطاعت جو دل سے کی جائے) تمھارا سب عمل رائیگاں جائے گا۔

پارہ ۲۲، سورۂ فاطر، آیات ۲۹، ۳۰:

اِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ○ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ

"بے شک جو لوگ (قرآن) خدا کی کتاب پڑھا کرتے ہیں اور نماز پابندی سے پڑھتے ہیں اور جو ہم نے انھیں عطا کیا ہے، اس میں سے چھپا کر اور دکھلا کر خدا کی راہ میں دیتے ہیں وہ یقیناً ایسے بیوپار کا آسرا رکھتے ہیں جس کا ٹاٹ نہ اُلٹے گا تا کہ خدا انھیں ان کی مزدوریاں بھرپور ادا کرے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کچھ اور بڑھا دے گا بے شک وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا قدر دان ہے"۔

آیت بالا میں پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو ایسے تاجر اور بیوپاری سے تشبیہ دی ہے جس کو پورا پورا یقین ہے کہ اُس کا یہ عمل اطاعتِ رسول اور خوشنودیٔ رب کے لیے ہے اس لیے اُسے بھرپور توکل اور آسرا ہے کہ رب غفور و شکور اپنے فضل و کرم سے اُس کی سوچ سے زیادہ دے گا۔ اُسے کبھی ناکامی نہ ہوگی، ہمیشہ اُس کا بھرم قائم رہے گا۔

پارہ ۱۶، سورۂ مریم، آیت ۵۵:

Presented by Ziaraat.com

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا

"اور اپنے گھر کے لوگوں کو نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کی تاکید کیا کرتے تھے اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ تھے (اللہ تعالیٰ اُن پر راضی تھا)"۔

اس آیۂ مجیدہ میں کتنی لطیف بات کی گئی ہے۔ یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز پابندی سے پڑھنے، زکوۃ ادا کرنے کی تاکید کرتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام پر راضی تھے اور وہ اپنے رب کی بارگاہ میں پسندیدہ تھے۔ تھوڑی سی فکر تو کیجیے کہ صرف اپنے گھر والوں کو پابندیٔ اوقات کے ساتھ نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کی تاکید کرنا ایک رسول کی سنت بھی اور اللہ کی بارگاہ میں پسندیدہ لوگوں میں داخل ہونے کا وسیلہ بھی ہے۔ اسی میں رضامندی حق تعالیٰ ہے۔ اگر یہ نصیب بن جائے تو بندے کو اور کیا چاہیے؟ بس اتنا کرنا ہے کہ جو کام ہو اتباع رسول میں ہو۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں پارہ ۱۸، سورۂ مومنون، آیت ۹ میں ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ○ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ

"اور جو لوگ اپنی نمازوں کی پابندی کیا کرتے ہیں (اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں) یہی لوگ سچے وارث ہیں"۔

اس اگلی آیت ۱۰ میں ارشاد ہے: "یہی لوگ فردوس (جنت) کی وراثت پائیں گے"۔

ہر آدمی دو طرح سے وارث ہوتا ہے۔ ایک اسلاف سے چھوڑی ہوئی وراثتِ مال و متاع جائیداد منقولہ و غیر منقولہ، خاندانی جاہ و حشمت عزت و وقار اور

Presented by Ziaraat.com

سب سے اہم عقیدہ اُس کی میراث قرار پائی ہے اور دوسری وراثت جو وہ خود اپنی ذاتی سعی سے اپنے لیے مہیا کرتا ہے اور خود ہی اس کا وارث بنتا ہے اور اپنی اور آنے والی نسل کے لیے بطور وراثت دُنیا میں چھوڑ جاتا ہے۔

امیرالمومنین علی علیہ السلام کا قول ہے کہ دُنیا کی زندگی انسان کے مقدر سے جڑی ہوئی ہے اور آخرت کی زندگی وہ خود اپنی محنت سے بناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یہی سچے وارث ہیں۔ نمازوں کی حفاظت اللہ کے نیک بندوں، صالحین اور انبیائے کرامؑ اور آئمہ معصومین علیہم السلام سے بڑھ کر اور کون کر سکتا ہے اور فردوس (جنت) تو ہے ہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے انہی کا ورثہ۔ لہٰذا جو شخص بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اپنی نمازوں کو پابندی سے پڑھے گا وہ دونوں طرح کا وارث ٹھہرے گا۔ دُنیا بھی اس کی ہوگی اور آخرت کی بھلائی بھی اُس کی ہوگی۔ کیونکہ وہ دنیا میں (السیات) برائیوں سے بچا۔

قرآنِ حکیم، پارہ ۲۱، سورۂ عنکبوت، آیت ۴۵ میں ارشاد ہے:

اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ

"اے رسولؐ! تمھاری طرف جو کچھ کتاب میں سے وحی کیا گیا ہے اسے تلاوت کرو اور نماز قائم کرو یقیناً نماز بے حیائی اور بُرائی سے روکتی ہے اور ضرور اللہ تعالیٰ کی یاد سب سے بڑی چیز ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے"۔

تفسیر صافی، ص ۳۸۶ بحوالہ تفسیر قمی لکھا ہے کہ جب تک نماز کسی کو بے حیائی اور بدکاری سے نہیں روکتی، خدا سے اُس کی دُوری بڑھتی جاتی ہے۔ یہی روایت مجمع

Presented by Ziaraat.com

البیان میں بھی ہے اس کے بعد یوں مروی ہے کہ ایک نوجوان آنحضرت ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھتا تھا لیکن خواہشات کی تکمیل کا ارتکاب بھی کرتا تھا۔ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے سامنے بیان کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن نماز اُسے روک دے گی۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اُس نے توبہ کر لی۔

مندرجہ بالا واقعہ سے دو باتیں سامنے آتی ہیں، پہلی یہ کہ آنحضرت ﷺ کی رحمت اُس نوجوان کے لیے خاص تھی۔ آپؐ کی خواہش تھی کہ وہ جوان جہنم کی آگ سے محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی خوشنودی اس میں دیکھ کر اس جوان کو توبہ کی توفیق بھی دی اور توبہ قبول بھی کر لی کیونکہ اس توبہ کی توفیق تو رسول خدا ﷺ پہلے ہی فرما چکے تھے۔ دوسری بات یہ کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ اگر بندہ تادمِ آخر نمازیں بھی پڑھتا رہے اور لھو ولعب میں بھی مگن رہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُس کی نمازیں اکارت گئیں۔ اُس کی ساری نمازیں ریاکاری ہی ریاکاری تھیں۔

اسی آیہ مجیدہ میں نماز پڑھنے کے ساتھ جو کچھ کتاب میں سے وحی کیا گیا ہے اُسے تلاوت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی اپنے رسول ﷺ کو حکم ہے کہ جو کچھ کتاب میں سے وحی کیا گیا ہے اسے تلاوت کر اور نماز قائم (پڑھ) کر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ مجید اور نماز کا آپس میں گہرا ربط ہے اس لیے نماز کا ادا کرنا قرآن کی زبان ہی میں واجب ہے۔ کسی اور زبان میں ہرگز مستحسن نہیں ہے۔

فرمانِ خداوندی میں اتباعِ رسول ﷺ میں دل کی سچائی کے ساتھ نماز کی ادائیگی دُنیا اور آخرت میں مسلمان اور بندہ مومن کی سرخروئی اور کامیابی کی ضمانت ہے۔ بلکہ انسان کو وہ اوج عطا کرتی ہے جو بندہ کے وہم و گمان میں نہ ہے۔ رسول ﷺ کا یہ فرمان اَلصَّلٰوۃُ مِعرَاجُ المُؤمِنِ "نماز مومن کی معراج ہے"۔

Presented by Ziaraat.com

معراج انسان کے اعمال صالح کی رفعتوں کا نام ہے اور قرب خداوندی کا وسیلہ ہے۔

پارہ ۶، سورۂ مائدہ، آیت ۵۵:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○

"ماسوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا حاکم (ولی) اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اس صورت میں کہ وہ رکوع کرنے والے ہیں"۔

تفسیر صافی، ص ۷ ۳۱ پر اس آیت کی تفسیر میں مختلف روایات درج ہیں:

ایک روایت کافی کے حوالہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت علی علیہ السلام ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؑ کے بدن پر ایک حلّہ تھا، جس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔ وہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور ہدیہ دیا تھا اور آپؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو عطا فرما دیا تھا۔ آپؑ دو رکعت پڑھ کر حالتِ رکوع میں تھے کہ ایک سوالی نے آ کر کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَلِيَّ اللّٰهِ وَاَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ "مجھ مسکین کو کچھ صدقہ دیجیے"۔ آپؑ نے وہ حلّہ اُتار پھینکا اور انگلی سے اُس کی طرف اشارہ کیا کہ اسے اٹھا لو۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وہ سائل اللہ تعالیٰ کا فرشتہ تھا۔

تفسیر قمی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپؐ کے پاس یہودیوں کے کچھ لوگ تھے، جن میں عبداللہ بن سلام بھی تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھ کر مسجد کی طرف گئے۔ سامنے سائل آ گیا، آپؐ نے پوچھا کہ کیا تمہیں کسی نے کچھ دیا ہے۔ اُس نے

Presented by Ziaraat.com

کہا: ہاں اُس نماز پڑھنے والے نے دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا وہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام تھے۔

نیز جمہور مفسرین یعنی تمام مکاتب فکر کے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے جبکہ آپ نے حالتِ رکوع میں ایک سائل کو انگوٹھی عطا فرمائی۔ بعض روایت میں حلّہ اور بعض روایات میں انگوٹھی کا عطا کرنا آیا ہے۔

بہرحال یہ امر مصدقہ اور حقہ ہے کہ اس آیت پاک کا نزول حضرت علی علیہ السلام کے حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دینے کے باعث ہوا۔ اللہ تعالیٰ حکیم و علیم ہے۔ اس موقعہ پر اپنے خاص بندے کے لیے یہ اعلان فرما کر بنی نوع انسان کے لیے کچھ اُمور کا تعین فرما دیا۔

① یہ کہ اگر کوئی شخص علی علیہ السلام کے سوا حالتِ نماز میں نماز سے ہٹ کر کوئی عمل کرے تو اُس کی نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر یہ عمل اللہ تعالیٰ کا وہ بندہ جو وجہ اللہ اور ابوتراب کے لقب سے ملقب ہے، انجام دے تو نماز باطل ہونے کی بجائے فضیلت کے درجات پائے۔

لفظ ولی کے معانی عربی لغت کے مطابق نہایت ہی آسان اور فہم میں بآسانی آجاتے ہیں۔ ولی کو دوست کہا جائے یا مولا سے تعبیر کیا جائے اس کے معنی آقا و سردار یا حاکم جانا جائے ہر صورت میں یہ ایک ایسا اعزاز ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنی ذات (اللہ تعالیٰ) محمد ﷺ اور علی کرم اللہ وجہہ کے لیے مخصوص کر دیا اور حتمی اور اٹل فیصلہ سنا دیا کہ "میں مولا ہوں، میرا رسول مولا ہے اور علی مولا ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے دوستی کا ذکر کرنا تھا وہاں حضرت ابراہیمؑ کو خلیل کہا دوست کے لیے اس سے بہتر کوئی لفظ خوب صورت نہ ہے۔ اس سے یہ سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے کہ اس آیت

Presented by Ziaraat.com

میں ولی کا لفظ دوست کے لیے نہیں آیا بلکہ حاکمیت کے لیے آیا ہے اور واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکمِ کُل ہے اور اس کائنات چلانے کے لیے اُس کے دونوں پیارے محمدؐ اور علیؑ اس کی حاکمیت میں شامل ہیں۔

۳ حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ نے سلمان محمدی فارسیؓ سے کہا کہ جاؤ دیکھو کہ مسجد میں کون ہے؟ جناب سلمانؓ گئے اور دیکھ کر واپس آ کر کہا: میرے آقا! ایک شخص وہاں مسجد میں موجود ہے لیکن میں اسے نہیں جانتا۔ پاس بیٹھے صحابہ کرام بول اُٹھے: یا رسولؐ اللہ! دیکھیے سلمانؓ کتنا جھوٹ بول رہا ہے ہم سب نے دیکھا ہے کہ وہ علی بن ابی طالب ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں نہیں جانتا۔

یارسولؐ اللہ! آپؐ تو فرماتے ہیں کہ سلمانؓ سچا ہے اور جھوٹ نہیں بولتا۔ آپؐ نے صحابہ سے کہا کہ سلمانؓ ہی سے پوچھتے ہیں۔ سلمانؓ جب مسجد میں علیؑ ہی موجود ہیں اور تم نے دیکھا بھی ہے تو تم کیوں کر کہتے ہو کہ میں اُس شخص کو نہیں جانتا؟ سلمانؓ نے کہا: یارسولؐ اللہ! آپؐ نے خود ہی ارشاد فرمایا تھا کہ علیؑ کو میں محمدؐ جانتا ہوں، یا میرا اللہ جانتا ہے اور مجھے علیؑ جانتا ہے یا اللہ جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو میں (محمدؐ) جانتا ہوں یا علیؑ جانتا ہے۔ یارسولؐ اللہ! میرے بس میں کہاں علیؑ کی معرفت اللہ کو ہے یا آپؐ کو ہے یہی آپؐ کا اپنے اصحاب کو بس یاد دلانا مقصود تھا"۔

میں اللہ تعالیٰ کا آخری رسولؐ ہوں، اور حکمِ خدا کے بغیر کسی بھی حالت میں نہ کوئی کام کرتا ہوں اور نہ ہی کوئی کلام کرتا ہوں۔ پس جان لو کہ علیؑ کے سوا کوئی اور اس منصب کا حامل نہ ہے۔ نماز مومن کی معراج ہے اور علی علیہ السلام نے اس معراج کو حالتِ رکوع میں زکوٰۃ ادا کر کے معراج عطا کر دی۔

Presented by Ziaraat.com

تئیسواں باب

طریقِ نماز

نماز جس قدر اہمیت، فضیلت اور افادیت رکھتی ہے یہ ممکن نہیں کہ نماز پڑھانے والے (محمد ﷺ) نے اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق مسلمانوں کو نماز ادا کرنے کا طریقہ نہ بتایا ہو۔ قرآنی احکامات کو عملی تفسیر آنحضرت ﷺ نے اپنے اُسوۂ مبارک سے دی۔ اسی طرح نماز کو ایک عرصہ تک مسلمانوں کو پڑھ کر دکھایا مگر آنحضرت ﷺ کے بعد مسلمانانِ عالم نے اُسے فقہی نزاکتوں کی نذر کر دیا۔

میں نے قرآنِ حکیم اور فرمانِ رسول ﷺ اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات سے استفادہ کرتے ہوئے جو کچھ سیکھا قارئین کے لیے پیش کرتا ہوں۔

اتنی اہم عبادت کے لیے پاکیزگی اور طہارت کا ہونا از بس لازم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں نماز کی ادائیگی کے لیے نماز سے پہلے پاکیزگی کا طریقہ بیان فرمایا ہے، جسے وضو کہتے ہیں۔

وضو: ارشادِ رب العزت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

”اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو جب تم نماز کے لیے آمادہ ہو تو دھولو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور مسح

Presented by Ziaraat.com

کرو اپنے سروں کے کچھ حصّے کا اور اپنے پاؤں کا اُن کی پیٹھ کی ہڈی کے اُبھار تک"۔

آیۂ مبارکہ درج بالا سے چار چیزوں کو ظاہر کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن میں سے دو کو دھونے اور دو کا مسح کرنے کا حکم ہے۔ ان چار اعضاء کو وضو کے لیے کیوں مخصوص کیا گیا ہے۔

کتاب حیات القلوب، جلد ۱، صفحہ ۳۸ پر علامہ مجلسی اس کی تفصیل میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے سوال کیا کہ وضو کو چار اعضاء سے کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: وہ اس لیے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے گندم کھانے کا تعلق منہ ہاتھ اور پاؤں سے ہے جب گندم کھا چکے اور پاداش میں لباسِ جنت بدن سے اُتر گیا تو اپنی سہو کے انجام کو دیکھ کر اپنا داہنا ہاتھ سر پر رکھ کر بے اختیار روئے تھے اس لیے انہی اعضا کو قیامت تک کے لیے ان کی اولاد پر وضو کے لیے استعمال کرنا واجب قرار دیا گیا۔

یہ بات یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

پارہ ۵، سورۂ نساء، آیت ۴۳:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى

"نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک تم نشے میں ہو"۔

دوسری جگہ پارہ ۲۷، سورۂ واقعہ آیت ۷۹:

لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

"نہیں کوئی چھوتا سوائے ان کے جو پاک کر دیے گئے"

(سوائے پاک لوگوں کے)۔

مندرجہ بالا ہر دو آیات میں ایک فیصلہ کن بات کی گئی ہے کہ نماز قرآن کا

Presented by Ziaraat.com

آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں اتنے پاکیزہ ہیں کہ طہارت و پاکیزگی کے بغیر ان کے قریب جانے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول ﷺ سے یہ خطاب کہ کتاب میں سے جو کچھ تمہیں وحی کیا گیا ہے اُس کی تلاوت کرو اور نماز قائم کرو۔ یوں نماز اور قرآن کو ملا دیا گیا ہے۔ انھی کی وجہ سے طہارت کا معیار واضح ہوتا ہے۔

نماز ایک طویل موضوع ہے۔ اس کے بارے میں جید علمائے کرام اور مراجع عظام نے تحریری صورت میں بیش بہا خزانہ چھوڑا ہے اس سے استفادہ کرنا سعادت بھی ہے اور لازمی بھی ہے۔ تاہم ذیل میں چند ایک معروضات پیش خدمت ہیں۔

اوقات نماز:

نماز کی ادائیگی سے قبل پانچ اوقات کا خیال رکھنا لازم ہے:

(۱) نماز کا وقت (۲) نماز کی جگہ (۳) بدن اور لباس کا پاکیزہ ہونا (۴) قبلہ کی شناخت (۵) وضو۔

وضو کے متعلق پچھلے صفحات میں تحریر کیا جا چکا ہے۔

واجبات نماز:

واجبات نماز گیارہ ہیں:

(۱) نیت: مثلاً دو رکعت نماز واجب پڑھتا ہوں/ پڑھتی ہوں واجب قُربَۃً اِلَی اللہِ۔ یہاں یہ بات خیال میں رہے کہ الی میں "ل" پر صرف زبر پڑھا جائے اس کو تشدید نہ پڑھا جائے شد سے پڑھنا غلط ہے۔

(۲) تکبیرۃ الاحرام: قبلہ رُخ کھڑے ہو کر نیت کے بعد دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے کانوں تک ایسے لے جانا کہ ہتھیلیوں کا رُخ بھی قبلہ کی جانب ہو اور اس حالت میں اللہ اکبر کہنا تکبیرۃ الاحرام کہلاتا ہے۔ اسے تکبیرِ اولیٰ بھی کہتے ہیں

Presented by Ziaraat.com

③ قیام/قرأت قبلہ رُخ بالکل سیدھا کھڑا ہونا قیام کہلاتا ہے۔

حالتِ قیام میں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ (الحمد) کا پڑھنا اور اس کے بعد کسی دوسری سورہ کا پڑھنا قرأت کہلاتا ہے۔ سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد پہلی رکعت میں سورۂ قدر پڑھنا بہتر ہے اور دوسری رکعت میں سورۂ توحید پڑھی جائے۔

مستند روایات میں ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام دوسری رکعت میں سورۂ توحید کی قرأت فرماتے تھے۔

④ رکوع: قرأت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر جھکنا اور اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا رکوع کہلاتا ہے۔

⑤ سجدہ: رکوع کے بعد کھڑے ہو کر (بالکل سیدھا) اپنے آپ کو اس طرح نیچے لے جانا کہ سب سے پہلے ہتھیلیاں نماز اور سجدہ کی جگہ کو چھوئیں اور پیشانی اور ناک زمین پر (جائے سجدہ) لگ جائیں ایسی حالت کہ پاؤں کے دونوں انگوٹھے دونوں گھٹنے بھی زمین پر لگ جائیں یعنی پیشانی، دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے انگوٹھے زمین کے ساتھ لگے رہیں اور حالتِ استقرار میں ہوں۔

⑥ قرأت: قیام کی حالت میں سورۂ فاتحہ اور اس کے علاوہ سورۂ توحید کی تلاوت کرنا۔

⑦ ذکر: حالتِ رکوع اور حالتِ سجدہ میں ادا کیے جانے والے کلمات کو ذکر کہتے ہیں۔ حالتِ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کا تین بار اور حالتِ سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے تین بار پڑھنے کو ذکر کہتے ہیں۔ حالتِ رکوع اور حالتِ سجدہ میں تسبیح کبیر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَبِحَمْدِہٖ مذکور ہے۔

⑧ تشہد: دو رکعت نماز کی صورت میں دوسری رکعت کے دونوں سجدوں

Presented by Ziaraat.com

کے بعد دوزانو (یعنی گھٹنے تہہ کر کے بیٹھنا) ہو کر اس طرح بیٹھنا کہ بایاں پاؤں دائیں پاؤں کے نیچے بچھا ہوا ہو اور ہاتھ رانوں پر ہوں اور دو شہادتیں دی جائیں یعنی پڑھا جائے: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ، اور اس کے بعد

درود شریف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ پڑھے۔

⑨ سلام: یہ نماز کی اختتامی حالت کا نام ہے۔ درود شریف پڑھنے کے بعد سلام پڑھے: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ پس نماز قائم ہوئی۔

⑩ ترتیب: نماز کے تمام افعال کو اسی ترتیب سے پڑھا جائے جس ترتیب سے حکم ہے اور اسی طرح بجا لانا واجب ہے۔ مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم نہ کرے۔ ترتیب بدلنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔

⑪ موالات: موالات سے مراد کسی عمل کو تواتر کے ساتھ ادا کرنا یعنی نماز کو اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کے کسی ایک واجب کے ادا کرنے کے فوراً بعد دوسرا واجب عمل ادا کیا جائے اور کہیں بھی دو اعمال کے درمیان اتنا وقفہ نہ دیا جائے کہ دیکھنے والے کو گمان ہو کہ یہ شخص نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔

⑫ نماز کے واجبات میں سے پانچ ارکان ایسے ہیں جو عمداً یا غلطی سے بجا نہ لائے جا سکیں تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ وہ ارکان درج ذیل ہیں:

① نیت ② تکبیرۃ الاحرام ③ قیام ④ رکوع ⑤ سجدے

طریقہ نماز کے سلسلہ میں نیت تکبیرۃ الاحرام قیام اور اختتام قیام پر اللہ اکبر کہہ کر حالت رکوع میں جانا اور ذکر اور اس کے بعد سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ پڑھ کر

Presented by Ziaraat.com

اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں چلے جانا ذکر کرنا اللہ اکبر کہہ کر اٹھنا اور جلسہ استراحت (دونوں سجدوں کے درمیان، حالتِ سکون میں پڑھنا) کے لیے بیٹھنا اور اَسْتَغْفِرُ اللہَ رَبِّیْ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ پڑھ کر دوسرا سجدہ بجالانا ذکر کے بعد اللہ اکبر کہہ کر حالتِ تحرک میں بِحَوْلِ اللہِ وَ قُوَّتِہٖ وَ اَقُوْمُ وَاَقْعُدُ پڑھ کر دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہونا۔ حسبِ معمول دوسری رکعت ادا کر کے حالتِ تشہد میں تشہد، درود اور سلام پڑھ کر نماز کا اختتام کرنا ہے۔ دوسری رکعت میں قیام کے بعد رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا مستحب ہے۔ نماز جمعہ میں دونوں رکعتوں میں قنوت مستحب ہے۔ پہلی رکعت میں رکوع سے پہلے اور دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت پڑھنا مستحب ہے۔

پانچ واجبات نماز جو کہ نماز کے ارکان بھی ہیں کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے اب ایسے واجبات جو ارکانِ نماز تو نہیں لیکن اہم ترین واجبات ہیں۔ اگر اِن واجبات میں سے کوئی واجب عمداً چھوڑ دیا جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور کوئی واجب سہواً چھوٹ جائے اس سے اگلا واجب بجالایا جا چکے تو بھولے ہوئے واجب کو پڑھ کر دوبارہ اسی سے اگلے واجب کو بجالایا جائے۔

ان واجبات میں سے ایک ایسا واجب ہے جس کے فضائل کے بارے میں قرآن مجید میں حکم ہے۔ رسول خداؐ کی احادیث کی کثیر تعداد ہے آئمہ معصومینؑ، صالحین، غرضیکہ صحابہ کرامؓ کے فرامین اور اقوال بھی بکثرت ملتے ہیں۔ آیئے اس واجب کے بارے میں قرآنِ حکیم سے صادر حکم کو تلاش کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اپنے حبیب آنحضرتؐ کے ذریعے جن اُمور کو انجام دینے کے ارشاد فرمایا ہے وہ یک طرفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و عبادت بلا استثنیٰ تمام مخلوق پر واجب ہے۔ مخلوق کو اپنے خالق کی عبادت کرنی ہے اور صرف اُسی کے حکم کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت ہے۔

Presented by Ziaraat.com

چوبیسواں باب

درُود پاک

اللہ تعالیٰ نے ایک حکم ایسا دیا اور اس تفاخر کے ساتھ دیا کہ اُس کی اہمیت ایک انفرادی حیثیت اختیار کر گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.

"بے شک اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی مکرمؐ پر درود پڑھتے ہیں،
اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو اُس (محمد ﷺ) پر درود
اور سلام بھیجو"۔

اس آیتِ مجیدہ کے فہم کے لیے جتنا تدبر سے کام لیا جائے اُسی قدر آنحضرت ﷺ کی ذات والا صفات اور درود پاک کے مقام و مرتبہ کی وضاحت ہوتی جائے گی۔ درود پاک ایسا عمل ہے کہ جس کا حکم ایک ترغیب کے ساتھ دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ میں بھی اور میرے فرشتے بھی آنحضرت ﷺ پر درود پڑھتے ہیں لہٰذا مومنو! تم بھی درود پڑھو۔ اللہ تعالیٰ بھی رحمۃ للعالمینؐ کے لیے اُن کی ذات پر درود پڑھنے میں شامل اور شریک ہے اور فرشتے بھی شامل ہیں۔ تنہائی میں پڑھتے ہو تو خدا اور فرشتے تمہارے رفیق ہیں۔ اگر اجتماعی صورت میں کسی مجلس میں آپ (محمد ﷺ) پر درود پڑھتے ہیں تو خدا اور فرشتے تمہارے ہم جلیس ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک ایسا عمل جو ہم بجا لاتے ہیں اور دینِ اسلام میں اس عمل کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ہماری علاقائی زبان میں اُسے نماز اور عربی

Presented by Ziaraat.com

میں الصلوٰۃ کہتے ہیں۔

عربی لغت میں الصلوٰۃ کے لغوی معنی دُعا کے ہیں۔ اسے حسین اتفاق کہا جائے یا خوب صورت حقیقت کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو ادا کرنے کا جو طریقہ رسولؐ خدا کے ذریعے بتایا گیا ہے۔ اُس میں سورۂ فاتحہ سے شروع کرنے کو کہا گیا ہے۔

جبکہ قرآنِ مجید کی موجود ترتیب میں بھی سورۂ فاتحہ نقطہ آغاز ہے۔ اور سورۂ فاتحہ اللہ تعالیٰ کے حمد کے بعد ساری کی ساری دُعا ہے: اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اللہ ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھنا۔ اُس راستہ (اُن لوگوں کا راستہ) پر جس پر چلنے والوں پر تو نے انعام کیا (نعمتیں عطا کیں) ایسے لوگوں کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور وہ گمراہ ہوئے بلکہ اُن لوگوں کی راہ جو نہ تو گمراہ ہوئے اور نہ ہی اُن پر تیرا غضب ہوا"۔

فرمانِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ "دعا عبادت کا مغز ہے"۔

نماز مختلف ارکان کو متحرک عمل سے بجا لانے کا نام ہے۔ ذکر سے عبارت ایک دعا ہے، عبادت اہم ہے۔ اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ جو شخص نماز کے بعد دُعا نہیں مانگتا وہ ایسے ہے جیسے وہ جنت کے دروازے سے واپس لوٹا دیا گیا ہو۔

نماز کے بعد دُعا سُبْحَانَ اللهِ اس میں کیا حقیقت پنہاں ہے۔ الصلوٰۃ (نماز) بھی دُعا اور دُعا کے بعد دُعا۔ رحمت اللعالمین کی کیا کر رہی ہے۔ بعینہٖ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے ایمان والو (جو ایمان لا چکے ہو) ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ پر اُس کے فرشتوں پر اُس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں اور آخرت پر دراصل ایمان کے بعد ایمان لانا استحکام ایمان ہے اور نماز الصلوٰۃ (دُعا) کے

Presented by Ziaraat.com

بعد دُعا استحکام عبادت ہے اور استجاب عبادت کا یقین حاصل کرنا ہے۔ فرمانِ نبیؐ ہے کہ دُعا کرنے سے پہلے مجھ پر اور میری آل پر درود پڑھ لو۔ دُعا مانگو اور اختتام دُعا پر پھر درود شریف پڑھ لو تا کہ تمہاری دعا کو شرف قبولیت مِل جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا اس طرح دعا مانگنا پسند ہے۔

دُعا کے اوّل و آخر درود پڑھنا دُعا کے مستجاب ہونے کی ضمانت ہے۔ دُعا کی قبولیت نماز کی قبولیت کی نوید دیتی ہے۔ نماز کی قبولیت بندہ کو اعمال کی قبولیت کا یقین دلاتی ہے اور اعمال کی قبولیت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے مغفرت کی سند عطا ہوتی ہے اور بندۂ مومن جنت (فردوس) کا سچا وارث قرار پاتا ہے اور ہمیشہ کے لیے اس کا مکین بن جاتا ہے۔

حدیثِ رسول مقبول ﷺ ہے کہ ''اُس سے بڑا بخیل کون ہوگا جو میرا نام سُنے اور وہ مجھ پر اور میری آل پر درود نہ پڑھے''۔

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ اَبْخَیْلُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ

اسی طرح اور حدیث شریف ہے جو حضرت جابر سے مروی ہے:

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ فَقَدْ شَقِیْ

''جس کے پاس میرا ذکر ہو اور اُس نے مجھ پر اور میری آل پر درود نہ پڑھا وہ بدبخت ہے''۔

آنحضرت ﷺ کی ایک اور حدیث پاک حضرت جابرؓ سے ہی مروی ہے جس کا ترجمہ تحریر ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور نبی کریم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ پہلی سیڑھی پر تشریف فرما ہوئے تو آمین کہا۔ یوں ہی دوسری اور پھر تیسری

Presented by Ziaraat.com

سیڑھی پر آمین کہا، صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تین بار آمین کہنے کا کیا سبب ہوا؟ آپؐ نے فرمایا: جب میں پہلی سیڑھی پر چڑھا تو جبرائیلؑ حاضر ہوئے اور کہا: وہ شخص بدبخت ہوا جس نے رمضان المبارک پایا اور رمضان المبارک نکل گیا (وہ رمضان مبارک سے محروم رہا) اور بخشا نہ گیا۔ میں نے کہا: آمین۔ دوسرا بدبخت وہ شخص ہے جس نے اپنی زندگی میں والدین یا ایک کو پایا اور انھوں نے خدمت کے سبب سے اُسے جنت میں نہ پہنچایا یعنی وہ خدمت کر کے جنت میں نہ پہنچ سکا۔ میں نے کہا: آمین۔ تیسرا وہ شخص بدبخت ہے جس کے پاس آپ ﷺ کا ذکر ہوا۔ اور اُس نے درود پاک نہ پڑھا تو میں نے کہا: آمین۔

ذیل میں آنحضرت ﷺ پر درود پاک پڑھنے والوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ مسجدوں کے اوتار ہوتے ہیں اور اُن کے ہم نشین فرشتے ہوتے ہیں کہ اگر وہ کہیں چلے جائیں تو فرشتے اُن کو تلاش کرتے ہیں اور جب فرشتے اُن کو دیکھتے ہیں تو اُن کو مرحبا کہتے ہیں۔ اگر وہ کوئی حاجت طلب کریں تو فرشتے ان کی امداد و اعانت کرتے ہیں۔ اور جب وہ بیٹھتے ہیں تو فرشتے اُن کے قدموں سے لے کر آسمان تک گھیر لیتے ہیں۔ اُن فرشتوں کے ہاتھوں میں چاندی کے کاغذ اور سونے کے قلم ہوتے ہیں جن سے وہ آنحضرت ﷺ پر درود پاک پڑھنے والوں کا درود پاک لکھتے ہیں۔ اور وہ فرشتے کہتے ہیں تم ذکر پاک کرو۔ درود پاک زیادہ کرو اللہ تعالیٰ تم پر زیادہ رحم کرے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں زیادہ انعام و اکرام سے نوازے اور جب وہ ذکرِ درود کرتے ہیں تو ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اُن کی دعا قبول کی جاتی ہے اور اُن پر خوب صورت آنکھوں والی حوریں جھانکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت خاصہ اُن کی طرف متوجہ ہوتی ہے جب تک کہ وہ دنیا کی باتوں

Presented by Ziaraat.com

میں مشغول نہ ہو جائیں یا اُٹھ کر نہ چلے جائیں۔

عام ایام میں محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں آپ پڑھ چکے۔ ذیل میں جمعہ کے دن بالخصوص درود پڑھنے کا ذکر ہے۔ امیر المومنین علی علیہ السلام سے مروی ہے:

عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ علیہ السلام قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ مَنْ صَلَّی عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ مِائَةَ مَرَّةٍ جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ مَعَهٗ نُوْرٌ لَوْ قَسَمَ ذٰلِكَ النُّوْرَ بَیْنَ الْخَلَائِقِ کُلِّهِمْ لَوَسِعَهُمْ

"امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر سو بار درود پاک پڑھے جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اُس کے ساتھ ایسا نور آئے گا کہ اگر ساری مخلوق میں تقسیم کر دیا جائے تو وہ اُس کو کافی ہو"۔

ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روز قیامت تم میں سے وہ شخص ہر مقام اور ہر جگہ پر میرے قریب ہوگا جس نے تم میں سے مجھ پر درود پاک کی کثرت کی ہوگی، اور تم میں سے جو جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اُس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا۔ ستر حاجتیں آخرت کی اور تیس حاجتیں دُنیا کی۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو اس درود پاک کو لے کر میرے دربار میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ درود پاک کا یہ ہدیہ فلاں بن فلاں بن فلاں نے بھیجا ہے تو میں اُس درود پاک کے ہدیہ کو نور کے سفید صحیفے میں محفوظ کر لیتا ہوں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک پر درود پڑھنے اور بالخصوص جمعہ کے دن

Presented by Ziaraat.com

اور رات کو درود پڑھنے کی فضیلت اور اجر وثواب کا اندازہ آپؐ کے واقعہ معراج کے آپؐ کی اسی حدیث مبارکہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب معراج آسمانی رفعتوں کو عبور کرتے وقت ایک ایسا مقام آیا کہ میں نے دیکھا کہ ایک قوی ہیکل فرشتہ جس کے ہاتھ کی تعداد اَن گنت ہے، ہاتھوں کی اُنگلیوں کی تعداد اور انگلیوں کے پوروں کی تعداد بے حساب ہے اور وہ معروف عمل ہے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے اور اس کا کام کیا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: یا رسولؐ اللہ! یہ خدا کا ایک فرشتہ ہے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ یہ مخلوق خدا کی نیکیوں کو شمار کرے۔ آنحضرت ﷺ اُس سے ہم کلام ہوئے اور پوچھا کہ اے مقرب خدا یہ بتا کہ تجھے شمار کرنے میں پریشانی تو نہیں ہوتی۔ فرشتے نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! مجھے شمار کرنے میں کوئی پریشانی نہیں لیکن جب کوئی بندۂ مومن تجھ پر اور تیری آل پر درود پڑھتا ہے تو مجھے دشواری لاحق ہوتی ہے (یعنی درود پاک کے بدلے میں اجروثواب بے حساب و بے پایاں ہے)''۔

درود پاک کی فضیلت کے عنوان سے بالاختصار لکھی گئی احادیث کے آخر میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے مروی ایک حدیث پاک نقل کر کے اپنے مدعا کی طرف پیش رفت ہوگی۔

عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ علیہ السلام اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً كَتَبَ اللهُ لَهٗ قِيْرَاطٌ وَالْقِيْرَاطُ مِثْلُ اُحُدٍ

''حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جو مجھ پر ایک بار (صدق دل سے) درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ایک قیراط اجر لکھ دیتا ہے

Presented by Ziaraat.com

اور قیراط احد پہاڑ جتنا ہے"۔

مختصراً یہ کہ ایسا کلام (درود پاک) جس کے پڑھنے سے ثواب عظیم ملے اور نہ پڑھنے والا بدبخت ٹھہرے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا اہمیت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ایک تفاخر کے ساتھ فرماتا ہے کہ میں بے شک اللہ تعالیٰ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں میرے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں اور اے ایمان والو! تم میرے حبیبؐ اور اُس کی آل پر درود بھیجو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس تفاخر کے ساتھ درود بھیجنے کی ترغیب اور حکم کے بعد کس کی مجال کہ وہ اس صالح عمل کے ثواب کا احاطہ کر سکے۔

اتنی مفید اور اتنی اہم ترین عبادت کے لیے ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کی آل پر درود بھیجتے وقت عجلت میں نہ پڑھا جائے۔ تلفظ کی ادائیگی درُست ہو اور ایسے درُود بھیجا جائے جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ بفرمانِ نبی درود پاک کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّد

درودِ پاک میں ایک حرف "وَ" ہے جو محمدؐ اور آل محمدؐ کو یکجا کرتی ہے۔ عربی کے مطابق دو حروف "وَ" اور "فَ" کا استعمال کے عمل کے اتصال کے اظہار کے لیے کیا جاتا ہے۔ "وَ" بمعنی اور کے اور "فَ" بمعنی پس کے آتا ہے۔ یہاں ایک اور لفظ کا ذکر کرنا بھی لازم آ گیا وہ ہے "ثُمَّ" اور یہ بمعنی پھر کے استعمال کیا جاتا ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا
وُجُوهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ
وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

اس آیت مجیدہ میں نماز کی ادائیگی سے قبل وضو کا حکم ہے اور دو واجبات منہ کا دھونا اور کہنیوں تک ہاتھوں کا دھونا ہے اور دو واجبات سر کے کچھ حصّے کا اور پاؤں

Presented by Ziaraat.com

کا انگلیوں سے اُبھار تک مسح کرنا ہے"۔ اس آیت میں یہ کہا گیا ہے۔

اس آیت مجید میں فَاغْسِلُوا میں "ف" سے مراد یہ ہے کہ جب تم نماز قائم (ادا) کرنے لگو تو پس (فوراً) دھو لو اپنے منہ اور ہاتھ اپنے۔ اور مسح کرنے کے بارے میں ارشاد ہے: بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ ان دونوں اعضاء کے مسح کا حکم "وَ" کے ذریعے بلاتوقف ہے اتصال قائم رہے اور ہاتھ کی تری خشک نہ ہو۔

لفظ "ثُمَّ" کا استعمال اور بمعنی پھر اس کا جیسا کہ پارہ ۳۰، سورۂ "عبس" میں ارشاد ہے:

مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ○ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ○ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ○ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ○

"اُس نے اُسے نطفہ سے پیدا کیا پس اُس کا اندازہ لگایا پھر اُس پر راستہ آسان کر دیا۔ پھر اس کو موت دے دی۔ پس اسے قبر میں رکھوا دیا۔ پھر جب وہ چاہے گا اُسے اٹھا کھڑا کرے گا"۔

درج بالا تینوں آیات میں ثم کا استعمال بھی تین بار کیا گیا ہے۔ استقرار نطفہ سے لے کر وجود کی تکمیل کے ساتھ پیدائش تک کا وقت اور پھر پیدائش کے عمل کو آسان بنانا، پھر ایک طویل یا مختصر زندگی دے کر اُسے موت دینا اور پھر غیر معینہ مدت کے بعد (قیامت) اُسے کھڑا کرنا مذکور ہے۔ لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ثُمَّ طویل یا مختصر مدت کے لیے ہے۔ رموز اوقاف کو سمجھنے کے لیے پارہ ۳۰، سورۂ نباء کی آیت ایک سے لے کر آیت ۱۶ تک پیش خدمت ہیں:

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ○ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ○ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ○ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ○ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ○ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ○ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ○ وَّخَلَقْنٰكُمْ

Presented by Ziaraat.com

اَزْوَاجًا ○ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ○ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ○ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ○ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ○ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ○ وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ○ لِنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَنَبَاتًا ○ وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ○

قرآنِ حکیم کا اپنا اسلوب ہے۔ اس کی تلاوت سے قبل یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ کہاں ٹھہرنا ہے اور کہاں نہیں ٹھہرنا۔ بے محل ٹھہرنے سے آیات کے معانی بدل جاتے ہیں۔ اس لیے انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے اوپر دی سورۂ نباء کی ابتدائی سولہ آیات میں پہلی آیت مکمل ہے اور اس کے "ج" وقفِ جائز ہے اور ٹھہرنا ہی بہتر ہے۔ آیت ۲ کے اختتام پر وقف "لا" ہے اور اس کے آگے دوسری آیت کی "م" اور تیسری آیت کی "ل" کو شد سے ملایا گیا ہے اور ان کو ملا کر پڑھنا چاہیے۔ آیت ۳ و ۴ و ۵ مکمل آیات ہیں کوئی اتصال نہیں لہٰذا یہاں رکنا چاہیے۔ آیت ۶ و ۷، ۸، ۹، ۱۰ مکمل آیات ہیں۔ اور تمام آیات کے درمیان وقفِ "لا" ہے اور ہر آیت کے آخر پر تنوین ہے اور اگلی آیت کے شروع میں شد زبر کے ساتھ "وَّ" ہے۔ لہٰذا تمام آیات کو ملا کر پڑھنا چاہیے۔ آیت نمبر ۱۱ کے اختتام پر وقف "ص" ہے۔ اس کو بھی حسبِ سابق ملا کر پڑھنا چاہیے۔ آیت ۱۲، ۱۳ کے درمیان وقف "لا" ہے، آیت ۱۳، ۱۴ کے درمیان وقف "ص" ہے آیت نمبر ۱۴، ۱۵ کے درمیان وقف "لا" ہے۔ ان ساری آیات کو ملا کر پڑھنا قرآنی فہم اور تلاوت کے لیے ضروری ہے۔ آیت ۱۶ کے اختتام پر وقف مطلق "ط" ہے۔ یہاں لازم ہے کہ اس پر وقف کر کے مابعد سے ابتداء کی جائے۔

اتنی ساری تفصیل بیان کرنے کی غرض و غایت یہ ہے کہ جب بھی ایک آیت

Presented by Ziaraat.com

کے مکمل ہونے پر (وقف ''ط'' اور ''قف'' کو چھوڑ کر) باقی اوقاف آخری حرف تنوین کے ساتھ ہو اور اگلی آیت ''وَ'' سے شروع ہو تو دونوں کو ملا کر تلاوت کی جائے انھیں الگ کر کے نہ پڑھا جائے یہی حکم ہے۔

درود پاک جو خوش بختی سے مسلمانوں کو انعام کیا گیا ہے اس میں (محمد) ''دْ'' کے نیچے تنوین ہے اور اُس کے آگے ''وَّ'' ہے (محمدٌ وآل محمدٌ) محمد اور آل محمد پر درود پاک کی تلاوت کے دوران نہ کوئی استثنائی وقف ہے اور نہ ہی غیر استثنائی وقف ہے۔ اور ''وَّ'' کے ساتھ مِلا دیا گیا ہے۔ یہاں تو کسی طرح بھی رکنا جائز نہیں۔ مختصر وقت یا طویل وقت کے بعد کسی دوسرے عمل کے واقع ہونے کے اظہار کے لیے ''ثُمَّ'' استعمال ہوتا ہے۔

چونکہ حرف ''وْ'' کو زیرِ بحث لانا مقصود ہے پس اس کے لیے اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ اس سے قبل بھی کچھ ذکر کیا گیا ہے کہ ''وْ'' اور کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ حرف ''وْ'' دو اسموں، خواہ اُن کی کوئی حالت ہو کو متصل کرنے (جوڑنے / ملانے) کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اردو زبان میں اسے ''اور'' کہتے ہیں۔ حرف ''وْ'' ہمیشہ دو اسماء کے درمیان میں آئے گا۔ لیکن حرف ''وْ'' اپنی دوسری صورت میں نظر آئے تو اُس کا مقام و محل بدل جائے گا مثلاً اسم کی کسی بھی قسم کے شروع میں ال لگا کر پھر اُس سے پہلے حرف ''وْ'' لگا دیا جائے جیسے واللیل اذا یغشیٰ قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔ والتین والزیتونِ قسم ہے انجیر کی قسم ہے زیتون کی وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا قسم ہے تیز تیز دوڑنے والے ہانپتے ہوئے گھوڑوں کی۔ ان مثالوں میں ''وْ'' قسم کے معانی میں آیا ہے۔

حرف ''و'' دو اسموں کے درمیان میں آئے یا پہلے، آئے اور یہ حرف ''ال'' کی شرط سے آزاد ہو تو دونوں صورتوں میں اس کے معنی ''اور'' ہی ہوں گے جیسے وَمَا

Presented by Ziaraat.com

اَدْرَاكَ مَاهِيَهْ اور تجھے کس نے بتلایا کہ وہ (هَاوِيَة) کیا ہے وَمَا اَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ اور تجھے کس نے بتلایا کہ شب، قدر کیا ہے۔

حرف "وَ" درمیان میں آنے کی صورت میں جیسے اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ میں یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے "وَ" اور کے معنی میں بغرض اتصال ہے کیوں کہ ایمان اور عمل صالح متصل ہیں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی اور وہ اس سے راضی ہوں گے۔ یہاں بات اللہ تعالیٰ کی رضا ور اُس کے بندوں کی رضا کی بات ہے اور "وَ" دو رضاؤں کے اتصال کا کام دے رہی ہے۔ اس ساری بحث کے بعد اصل مقصد کی طرف لوٹتے ہیں۔

ایک مثال پیش خدمت ہے:

جَاءَ زَيْدٌ وَحَامِدٌ "زید اور حامد آئے"۔

عربی زبان و گرامر میں "وَ" کا جہاں استعمال ہوتا ہے جیسے اوپر کی مثال میں ہے کہ زید اور حامد آئے۔ یعنی (زید اور حامد دونوں آئے اور اس طرح آئے کہ دونوں بیک وقت ایک ہی نظر میں دیکھے گئے اور موجود پائے گئے اب اگر یہ کہا جائے زید اور حامد آئے یا کہا جائے کہ حامد اور زید آئے دونوں صورتوں میں ایک مفہوم ہے کہ دونوں اکٹھے آئے، بیک وقت دونوں کو اکٹھا دیکھا گیا۔ اتنے خوب صورت انداز کا حسن برقرار رہے تو یہی فطرت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام امور اور عبادات کا انجام دینا مخلوق پر حکم کیا ہے مگر اپنے رسول ﷺ پر درود بھیجنے کے عمل کو جہاں مخلوق کے لیے حکم دیا ہے وہیں اُس میں اپنی ذات الٰہی اور اپنے فرشتوں کو اس صالح عمل میں شریک بتایا ہے اور مومن بندہ کو اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دی ہے بلکہ یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ

Presented by Ziaraat.com

اور اس کے فرشتے پہلے ہی نبی معظم ﷺ پر اور اس کی آل پر درود بھیجتے ہیں۔ کیسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے کیسے درود بھیجتے ہیں ہمارے پاس تمام معلومات کے حصول کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ذریعہ آقائے نامدار سرور کونین ختم المرسلین آنحضرت محمد ﷺ کی ذات پاک یا آپؐ کی وصی خلیفۃ امیرالمومنین علی علیہ السلام سیدۃ النساء العالمین علیہا السلام اور اُن کی اولاد پاک (قائم آل محمدؑ تک) ہے۔ ان چودہ مقدس ہستیوں کے ذریعہ درود شریف اس صورت میں اللھم صلی علی محمد و آل محمد ملا ہے اور اس کے درمیان "وَ" ہے اور وہ بھی تشدید ہے۔ جس سے اتصال کی پختگی بتلانا مقصود ہے۔ جیسے پچھلے صفحات میں بتایا گیا ہے، جس کی مثال یہ ہے کہ زید اور حامد آئے۔ دونوں بیک وقت آئے "وَ" نے ان دونوں کو متصل کر دیا ہے اور متصل رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح درود پاک میں "وَ" نے محمدؐ اور آل محمدؑ کو متصل رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی یہی پسند ہے اور اُس پاک ذات نے اِن کو متصل رکھا ہے پس ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی سنت پر اور آنحضرتؐ کی سنت پر عمل کرنا چاہیے۔ درود پاک کو توڑ کر یعنی وقفہ دے کر محمد ﷺ پر رُک کر ایک وقفہ دے کر و آل محمدؑ پڑھنا نا وابستگی میں اس اتصال کو کم فہمی کی نذر تو نہیں کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے درود پاک ہم پر احسان کیا ہے اور بروئے قرآن هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ "احسان کا بدلہ سوائے احسان کے نہیں"۔ لہٰذا درود پاک پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احسان کا بدلہ اس طرح درود پڑھا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ جس طرح اُس کو پسند ہے اور فطرت جس کا تقاضا کرتی ہے۔ اور عربی زبان جس کا پابند بناتی ہے۔

رضائے خدا ہے اس میں رضائے رسولؐ بھی
جنت درود پاک میں مخفی انعام ہے

Presented by Ziaraat.com

حرفِ آخر

اس کتاب کو "کشفِ حرف" کا نام دیا مختلف عنوانات سے حرف کو سمجھنے اور اس کی معنوی حیثیت کو جاننے کی کوشش کی۔ حروف مقطعات کے قرآن و حدیث کے معیار پر ادراک تک رسائی کی سعی کی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق حروف مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسمائے اعظم میں سے لیے گئے حروف ہیں۔ ان کو ترتیب دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے علم کے وارثان آئمہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ اور کسی کے بس میں نہیں۔ مکرر حروف کو گرا دینے کے بعد چودہ حروف کا استعمال ہوا ہے۔ اور حرف اپنی ذات میں معنی رکھتا ہے۔ الفاظ ہوں یا علم الاعداد حروف مقطعات اپنے اندر ایک کرشماتی اور معجزاتی اثر رکھتے ہیں۔ حرف اور لفظ کی صورت اس کتاب کے اندرونی صفات میں علمی استعداد کے مطابق بیان کی ہے۔ اب علم الاعداد کے اعتبار سے قارئین کے لیے گزارشات ہیں۔ حروف مقطعات کی تعداد چودہ ہے۔

(۱) اگر چودہ کے عدد کو علم الاعداد کی رو سے جملِ صغیر میں تبدیل کیا جائے تو ۱۴ = ۴+۱=۵ یکجا ہوں یعنی زیرِ کساء ہوں تو ایک ہیں اور اگر عدد ۵ کو پھیلایا جائے تو ۱۴ بنتے ہیں اسی لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَ آخِرُنَا مُحَمَّدٌ وَ اَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَ کُلُّنَا مُحَمَّدٌ

(۲) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو ایک ہی دفعہ پیدا کیا۔ آسمانوں کی تعداد سات ہے جن کے نام ہیں (۱) برقعا، اقلوم، قیدوم، ماعون، دلو، برقیا، اور رقیع

Presented by Ziaraat.com

جبکہ زمین کے ساتھ حصوں کے نام ہیں ادیما، بسیطا، ثقیلا، بطحیا، متشا قلہ، ماسکہ اور ثریٰ جسے تحت الثریٰ بھی کہتے ہیں۔ یہ نام عرائس ثعلبی صفحہ ۵ اور سراج القلوب کے صفحہ ۸ پر منقول ہیں۔ اب سات آسمان اور سات زمینوں کو جمع کرنے سے جو عدد وجود میں آیا ہے وہ چودہ ہے اور چودہ کا جملِ صغیر ۵ ہے۔

پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے لیکن تحریری ضرورت کے پیش نظر مکرر سپرد قلم ہے۔

سورۂ فاتحہ

سورۂ فاتحہ کی سات آیات ہیں اور سورۂ فاتحہ نماز کی پہلی دو رکعت میں ایک ایک بار تلاوت کی جاتی ہے، جس کا تلاوت کرنا واجب بلکہ اوجب ہے۔ اس طرح باقی تین رکعت یا چار رکعت واجب/فرض نماز میں۔ باقی ایک یا دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے۔ کتب اسلامیہ میں تسبیحات اربعہ کا پڑھنا مذکور ہے۔ سورۂ فاتحہ کے دو بار تلاوت کرنے سے فرض نماز میں تعداد ۷+۷ ہو جاتی ہے جن کا جملِ صغیر ۵ بنتا ہے۔

علامہ سیوطی اس اس سلسلہ میں حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی توبہ اور دُعا کی قبولیت میں لکھتے ہیں کہ وہ کلمات جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تعلیم کیے تھے۔ وہ یہ تھے:

اللهم اسئلك بحق محمد سبحانك لا اله الا انت عملت سؤ و ظلمت نفسى تب على انك انت التواب الرحيم

"خدایا میں محمدؐ و آل محمدؐ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں میرے پالنے والے تیرے سوا کوئی معبود نہیں خدایا: مجھ سے غلطی ہوگئی

Presented by Ziaraat.com

ہے اور میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے خدایا مجھے بخش دے اور
تُو تو بہترین بخشنے والا ہے"۔

خدایا! میں محمدؐ و آل محمدؐ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں بے شک تو پاک و پاکیزہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں خدایا مجھ سے غلطی ہو گئی ہے اور میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے خدایا میری توبہ قبول کر لے اور تو تو بہترین توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (جمع الجوامع سیوطی اور مستدرک حاکم) میں بھی یہی درج ہے۔

عجائب القصص صفحہ ۳۸ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ علیہ السلام نے محمدؐ و آل محمدؐ کے واسطے سے سوال کیا تھا اور کتاب "دلائل النبوۃ بیہقی" میں ہے کہ خلیفہ دوئم حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے حضرت آدمؑ نے محمدؐ و آل محمدؐ کے واسطے سے سوال کیا تھا۔ اُن کے صدقہ میں حضرت آدمؑ کی دُعا قبول ہوئی تھی:

فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

"پس آدمؑ نے اپنے پروردگار سے کلمے سیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم سے درگزر کیا بے شک وہ بڑا درگزر کرنے والا مہربان ہے"۔

لفظ کلمات کے حروف کی تعداد پانچ ہے اور اگر کلمات کے لفظ کی دوسری طرح سے تشریح کی جائے تو اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہری ہے اور ایک باطنی ہے۔ اس کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ ان میں چار حروف مذکر ہیں اور ایک حرف مؤنث ہے۔ پنجتن پاکؑ میں بھی چار مذکر اور ایک مؤنث ہے۔ اور اس کا باطنی پہلو یہ ہے کہ بقاعدہ ابجد (علم الاعداد) 'ک' کے اعداد ۲۰، 'ل' کے ۳۰، 'م' کے ۴۰، 'الف'

Presented by Ziaraat.com

کے ۱۱ اور 'ت' کے ۴۰۰ اعداد ہیں۔ یوں ان حروف کے اعداد کا مجموعہ ۴۹۱ بنتا ہے۔ جملِ صغیر نکالنے سے ۱۴ اور پھر ۵ بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلَامُ

"بے شک میرا پسندیدہ دین اسلام ہے"۔

یہ دین ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ یہی خدا کا دین ہے باقی تمام ادیان بندوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اسلام پسندیدہ دین ہے۔ کتنی لطیف بات اس میں رکھ دی ہے۔

لفظ اسلام کی ظاہری صورت میں پانچ حروف "اس ل ام" سے مرکب ایک لفظ ہے اور اِن حروف کی تعداد بھی ۵ ہے، اور اس کی باطنیا صورت ملاحظہ فرمایئے۔ چونکہ لفظ اسلام حروف مقطعات سے تشکیل پایا ہے اس لفظ اسلام میں الف حرف مکرر ہے اس لیے ایک الف گرانے سے باقی حروف کے اعداد (س ۶۰، ل ۳۰، م ۴۰ اور حرف مکرر کی تعداد ۱-۱ ہے اور کُل ۱۳۱ بنتی ہے۔ اگر ۱۳۱ کا جمل صغیر نکالا جائے تو ۵ بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پہچانے جانے (معرفت) کے لیے محمدؐ و آل محمدؐ جیسی عظیم ہستیوں کے نور کو خلق فرمایا پھر کائنات کو خلق فرمایا، کائنات کی ہر شے کو اِن کی اطاعت کا حکم دیا اور اِن کی اطاعت اور اتباع کو اللہ تعالیٰ کی اتباع اور اطاعت قرار دیا۔

ان پانچ مقدس و پاکیزہ ہستیوں کی آیات بیّنات سے معرفت کرائی اور حروف مقطعات کے اسرار و رموز کے ذریعے اُن کی پہچان کروائی اور ان نفوس مطہرہ نے من جملہ اور انفرادی حیثیت میں مخلوق خدا کو خالق حقیقی معبود لاشریک کی

Presented by Ziaraat.com

معرفت دی۔ طائف کے بازاروں میں لہولہان ہو کر یا شعب ابی طالب میں محصور ہو کر کسی نے اسلام کی خاطر حق کی رضا میں رزم اور بزم میں کردار ادا کر کے اور مسجد کوفہ میں یہ کہہ کر کہ فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ حق کا تعارف کرایا۔ کسی نے بیت الحزن کی تنگی میں معرفتِ خدا کا علم بلند کیا۔ کسی نے اسلام کی بقا کے لیے زہر نوشی اور بحالت مکفون تیروں کا سامنا کر کے معرفت کا ثبوت فراہم کیا۔ بالآخر آخری نفس نے راہ حق میں سب کچھ دے کر سر سجدہ میں یوں رکھا کہ پھر غیروں نے اٹھایا۔ اور بنی نوع انسان پر واضح کر دیا کہ اللہ کی معرفت ہونے یا اُس کی معرفت کرانے کے لیے یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ جہاں جہاں انسانیت ہے حسین علیہ السلام کو خراج تحسین پیش کر رہی ہے کہ واقعی معبود لاشریک اسی لائق ہے کہ اُس کی رضا میں سب کچھ قربان کر دیا اور اُس کی رضا حاصل کر لی اور معبود کے حضور سر کو جھکا دیا اور وہ بلندی حاصل کر لی کہ بنی نوع انسان تو کیا ملائکہ غرضیکہ جبرائیل بھی اُس بلندی کو ناپنے سے معذور رہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

Presented by Ziaraat.com